مئی ۱۹۸۱ء

ماہنامہ

حیات نو

آثار سے سبق

یہ آنکھ کان اور دل ودماغ تم کو کیا اس لئے دئے گئے تھے کہ تم ان سے بس وہ کام لو جو حیوانات لیتے ہیں؟ کیا انکا صرف یہی مصرف ہے کہ تم جانوروں کی طرح جسم اور نفس کے مطالبات پورے کرنے کے ذرائع ہی تلاش کرتے رہو۔

کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی ناشکری ہو سکتی ہے کہ تم بنائے تو گئے تھے انسان اور بن کر رہ گئے نرے حیوان؟ جن آنکھوں سے سب کچھ دیکھا جائے مگر حقیقت کی طرف رہنمائی کرنے والے نشانات ہی نہ دیکھے جائیں، جن کانوں سے سب کچھ سنا جائے مگر ایک سبق آموز بات ہی نہ سنی جائے اور جس دل و دماغ سے سب کچھ سوچا جائے مگر بس یہی نہ سوچا جائے کہ مجھے یہ وجود کیسے ملا ہے، کس لئے ملا ہے اور کیا میری زندگی کی غایت ہے؟ حیف ہے اگر وہ پھر ایک بیل کے بجائے ایک انسان کے ڈھانچے میں ہوں۔ (تفہیم القرآن جلد سوم صہ ۲۹۳)

انجمن طلبہ قدیم

جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڈھ (الھند)

شفق طاہری

لا الٰہ الا اللہ

جہاں کا روحِ رواں لا الٰہ الا اللہ
وجود کی رگِ جاں لا الٰہ الا اللہ

جرس جرس کی زباں لا الٰہ الا اللہ
سحر سحر کی اذاں لا الٰہ الا اللہ

ہوائے خدمتِ شاہاں و سیف و تفنگ
بلندیوں کا نشاں لا الٰہ الا اللہ

ہزار دولتِ دنیا ہزار عزت و جاہ
کہاں یہ اور کہاں لا الٰہ الا اللہ

قلم نے اپنا دہن جب ازل کھولا
ہوا ظہور فشاں لا الٰہ الا اللہ

بتانِ عصر کہ عہدِ قدیم کے طاغوت
کسے دماغ یہاں لا الٰہ الا اللہ

حریم بار گیا عقل تھرتھرا اٹھا
ہوا جو شورِ اذاں لا الٰہ الا اللہ

بکھر گئے خس و خاشاک کی طرح سے شفق
تمام وہم و گماں لا الٰہ الا اللہ

نقوشِ حیاتِ نو

دھڑکنیں	ملک کا مستقبل؟	ادارہ	۲
ھدایات ربانی	دعوت کا فاتحانہ انجام	مولانا جلیل احسن ندوی	۴
تذکارِ صحابیات	اسلامی زندگی	اسعد اللہ خان عزیز	۷
مقالات	اسلام اور مسلمانوں کو ہندوستان کی دین	ابو محمد امام الدین رام نگری	۱۱
	قوموں کا عروج و زوال قرآن کی روشنی میں	صباح الدین ملک فلاحی	۲۰
ذکر و فکر	ارحم سے متعلق ایک طالب علمانہ سوال		
	علمائے ہند و پاک کی خدمت میں	طالب علم جامعۃ الفلاح	۸
	داعی کے پیش نظر کیا رہنا چاہیے	بیان مجلس مودودیؒ	۱۷
عالمی افق	آسمان پر چھائے بادل	جان فاسٹر	۲۲
	دنیا کی نئی فوجی اہمیت کا مرکز خلیج	جان فرے	۳۱
ہلکے پھلکے	علی گڑھ کا نائی بوائے	عبد المجید قریشی	۲۶
منظومات	غزل	تاج الدین اشعر رام نگری	۱۹
	عمر گذری سفر میں بیٹھے ہیں	وزیر سعیدی	۲۵
	ندائے حق	جعفر بلوچ	۱۰
حلقۂ یاراں	مشورے و تاثرات	ابو محمد امام الدین رام نگری، شفیق طاہری، اسرار احمد خاں	۳۳
جامعہ کے لیل و نہار		ادارہ	۳۵
پریس ریلیز		مرکز جماعت اسلامی ہند۔	۳۶

ماہنامہ حیاتِ نو

جلد ۴ شمارہ ۵

رجب ۱۴۱۲ھ مطابق مئی ۱۹۹۲ء

مدیر مسئول: نور محمد فلاحی

سالانہ زرتعاون : ۳۰/-
ششماہی ۱۶/-
طلبہ اور لائبریریوں کیلئے ۱۵/-
خصوصی زرتعاون ۱۰۰/- تا ۲۰۰/-
فی شمارہ : ۳/-

اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کا اشارہ ہے کہ آپ کا چندہ اب ختم ہو چکا ہے۔ آئندہ جاری رکھنے کے لئے ۳۰/- بھیج کر مشکور فرمائیں۔ شکریہ۔

مراسلت و ترسیل زر کا پتہ: نور محمد فلاحی، ماہنامہ حیات نو، جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ یوپی ۲۷۶۱۲۱

مالک انجمن طلبہ قدیم، پرنٹر پبلشر چیف ایڈیٹر نور محمد فلاحی مقام اشاعت جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ یوپی۔

کشش طاہر پریس ٹانڈہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دھڑکنیں

ملک کا مستقبل؟

ہندوستان کے شمال مشرق کی ریاستوں میں آسام، منی پور، ناگالینڈ جیسے ہیجانی اضطراب اور تشدد موجود ہے۔ خصوصاً آسام گذشتہ چند ماہ سے جس طرح انتہا پسند عناصر کے جارحانہ عزائم کا شکار رہا ہے۔ گجرات میں بڑی ذات کے ہندوؤں نے جو آفت مچا رکھی ہے، باغپت، ورنگل، اور ناتھ پور میں پولیس کے مظالم اور کچھ ہی ماہ قبل مرادآباد، علی گڑھ اور الہ آباد میں اقلیت کش فساد ـــــ یہ تو وہ مسائل ہیں جو اخبارات میں شاہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہوتے ہیں ـــ ان کے علاوہ متعدد مسائل اور بھی ہیں جو بھلائے نہیں جا سکتے، ملک کے دیوانوں کے لیے باعث اطمینان نہیں ہو سکتے ـــ آئیے ذرا ان مسائل پر بھی غور کریں۔

جنتا حکومت کے زوال کے بعد مسز گاندھی اور ان کی پارٹی بڑے پیمانے پر کامیابیوں سے ہمکنار ہوئیں۔ وزارت تشکیل پذیر ہوئی اور عقابی نگاہوں نے اس وقت تاڑ لیا کہ وزیر اعظم اپنے بیٹے کی محبت میں گرفتار ہیں اور کہا جا سکتا ہے کہ ملک کا مستقبل خوش آئند نہیں ہے۔ وزارت میں نئی نااہل اور ناتجربہ کار لوگوں کو لیا گیا اور اس کی وجہ صرف آنجہانی سنجے گاندھی تھے، انہیں فکر تھی تو بس یہ کہ ان آدمی وزارتوں میں لیے جائیں قطع نظر اس کے کہ اس اقدام سے ملک کو کتنا نقصان ہو سکے گا اور کتنا فائدہ۔ ملک برباد ہو کر گڑھے پر چلا جائے۔ عام زندگی کے مسائل بڑھتے جائیں، پسماندگی، تعلیمی و اخلاقی بربادی اور روز افزوں بیروزگاری ان کے مذموم عزائم کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتے تھے۔ انہیں بہر حال ملک کا وزیر اعظم بننا تھا۔ سنجے نے مسز گاندھی اور ان کی حکومت کے لیے بڑی دشواریاں پیدا کر دیں اور اس کا نتیجہ ہے کہ ناکارہ ہاتھوں میں وزارتوں کے قلمدان چلے گئے اور بیورو کریسی کو کھل کھیلنے کا موقع ملا۔ مسز گاندھی کو گھریلو مسائل میں الجھا دیکھ کر شمال مشرقی ہندوستان کے انتہا پسندوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ اور نوبت یہاں تک جا رسید کہ آج آسام میں فوج اور پولیس کی سر توڑ کوشش کے باوجود گیس، پٹرول لائن اور ریلوے لائنوں پر بموں کے دھماکے ہو رہے ہیں۔ مکانات جل رہے ہیں۔ بستیوں سے دھواں اٹھ رہا ہے۔ اور معصوموں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے ـــــ

پسماندہ طبقات کا استحصال کرتا ہوا برہمن سامراج بھی پیدا ہو رہا ہے، گجرات کالی ناگن بالاب سے نکل آئی ہے اور زلف محبوب کی طرح فضا میں اپنا فن لہرا رہی ہے۔ ہڑتال، احتجاج، تشدد، قتل اور غارتگری گجرات، کیرالا اور مغربی بنگال کی ریاستوں میں روز کا معمول بن گئے ہیں۔

جمہوریت آزادی کا علمبردار نظام حکومت ہے اور

جمہوریہ ہند کے باشندے اب اتنے آزاد ہو گئے ہیں کہ اپنے حکمرانوں کا کوئی فیصلہ مان نہیں دے سکتے۔ یہ الگ بحث ہے کہ اس صورت حال کو پیدا کرنے میں حکمرانوں کا حصہ کتنا ہے۔ لوگ ایجی ٹیشن پر اتر آئیں گے کیونکہ دستور میں ان کا بنیادی حق بتایا گیا ہے۔

کسی ملک کا انتظامیہ ایک اہم ادارہ ہوتا ہے۔ حکومت کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانا ہو یا ترقی کے پروگراموں کو روبہ عمل لانا ہو۔ حکومت کی کارکردگی کو موثر بنانے میں یہ ادارہ کلیدی رول ادا کرتا ہے۔ لیکن ہمارا انتظامیہ گھناؤنے قسم کے کرپشن میں مبتلا ہے۔ لوٹ کھسوٹ اور رشوت لینا عام بات ہے۔ گھپلے بھی آسانی سے ہو رہے ہیں۔ عام طور پر لوگوں کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ترقی اور خوشحالی کیلئے یہ ساری حرکتیں فرائض میں شامل ہیں۔ ایک خوفناک خیال یہ بھی ہے کہ نوکریاں بھاری رشوتوں سے حاصل ہو رہی ہیں اور تنخواہ بہار ہو چھوٹی نہیں رہنے ہے اس خلا کو پر کرنے کے لیے ماڈرن سوسائٹی کے لوازم کی تکمیل کے لیے بھی، دھاندلی، رشوت خوری اور دوسری غیر اخلاقی و لاقانونی حرکتیں ضروری ہو جاتی ہیں۔ جہاں یہ نقطۂ نظر افراد کے دلوں میں سرایت کر گیا ہو اور جہاں معاشرے کے ضمیر کو مادہ پرستی کی ناگن نے ڈس لیا ہو وہاں کرپشن نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا۔

سب سے اہم اور بنیادی سوال! یہ ہے کہ آخر آج ہمارا ملک میں یہ بدکاری اور سماجی برائیاں کیسے در آئی ہیں ——

اس کی اولین اور اہم ترین وجہ ہندوستان کا غلط نظام تعلیم ہے۔ تعلیم کا مقصد ملک کی ترقی کے لیے اچھے افراد پیدا کرنا تھا۔ مگر ہماری سیکولر تعلیم اخلاق و کردار کو سنوارنے میں ذرا بھی مددگار ثابت نہیں ہوتی۔ تعلیم ایک بدکردار فرد پیدا کرتی ہے اور وہ پست اخلاق عادتیں پیدا کر سوسائٹی میں زہر پھیلانے لگتے ہیں۔ اسی طرح سوچ سمجھ کر یہی طلبہ جو آج دانش گاہوں میں ہیں۔ کل سیاست کے میدانوں اور دفتروں میں کام کر رہے ہوں گے۔ اگر آج ان کے اندر کردار نہ پیدا کیا گیا، اگر آج ان کے دل و دماغ سے سماجی برائیوں کو کھرچ کر پھینکا نہ گیا تو سچ ہے کہ ملک کا مستقبل تاریک ہو جائے گا ——— ملک اور جمہوریت کے تحفظ کی ضمانت ایک صحیح نظام تعلیم ہی دے سکتا ہے، لیکن اگر یہی حالت رہی یعنی طلبہ کلاسوں کے بجائے سڑکوں پر ہنگامے کرتے رہے اور اساتذہ شاگردوں کی تعمیر سیرت سے بے تعلق رہے اور لیڈران قوم نے طلبہ برادری کا استحصال بند نہ کیا تو ہندوستان میں جمہوریت کی بقا یکجہتی و بے روزگاری کا خاتمہ اور روشن مستقبل کی تعمیر ایک موہوم خواب بن کر رہ جائیں گے۔ لیکن اگر نظام تعلیم میں کچھ ایسی بنیادی تبدیلیاں ہوں جو تعمیر سیرت کے لیے معاون و مددگار بن سکیں تو گجرات سے لیکر آسام تک ہر جگہ خلوص و محبت اور بھائی چارگی کے چشمے ابل پڑیں گلگادی چمن کے میدان سونا اگلے اور جمالی کی سخت چٹانوں سے ہیرے پھوٹ پڑیں۔

فون ۳۱۲

اوشا سلائی مشین و پنکھا کیلئے

بھروسے والی دوکان

بھارتی ٹریڈرز

تکیہ نام علم گڑھ (یو۔پی)

پروپرائٹر — بدر عالم

مولانا جلیل احسن ندوی
استاذ تفسیر جامعۃ الفلاح

دعوت کا شاندار انجام

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ ... وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ (سورہ قصص ۸۵-۸۸)

ترجمہ:- بیشک جس نے تم پر قرآن کی ذمہ داری ڈالی ہے وہ تمہیں ایک بہترین و شاندار انجام تک پہونچا کے رہے گا۔ کہہ دو کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اللہ کی ہدایت لے کر آیا ہے اور کون کھلی گمراہی میں مبتلا ہے اور تم اس بات کی توقع نہیں کرتے تھے کہ تم پر کتاب اتاری جائے لیکن یہ تمہارے رب کا تم پر فضل ہوا کہ تم کو نبی بنایا گیا اور کتاب اتاری گئی، تو تم کافروں کے پشت پناہ نہ بننا اور یہ کافر لوگ تم کو اللہ کی آیات سے روک نہ پائیں ان آیات کے اتارے جانے کے بعد اور تم اپنے رب کی طرف بلاؤ اور مشرکوں میں سے نہ ہونا اور اللہ کے ساتھ کسی معبود کو نہ پکارنا اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے فیصلہ اسی کے اختیار میں ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

تشریح:- یہ سورۂ قصص کی وہ آیتیں ہیں جو سورہ کے خاتمے کی حیثیت رکھتی ہیں اور یہ سورہ مکی دور دعوت کے آخری زمانے میں نازل ہوئی۔ جب کہ قریشی ارباب اقتدار مسلمانوں کو ختم کرنے اور دعوت اسلامی کو بیخ و بن سے اکھاڑ دینے کے لیے بار بار اپنی اجتماع گاہ دارالندوہ میں بیٹھ کر مختلف اسکیموں پر غور کر رہے تھے۔

اسی غرض سے سورہ کے آغاز میں حضرت موسیٰ اور فرعون کی کشمکش کی داستان بیان ہوئی۔ فرعون نے فیصلہ کیا تھا کہ بتدریج اسرائیلی مسلمانوں کا خاتمہ کر دیا جائے اور اللہ کا فیصلہ یہ تھا کہ مظلوم مسلمانوں پر احسان کرے ان کو خیر و ہدایت کا امام بنائے انہیں انبیاء کی میراث یعنی نبوت بخشے اور ان کو با اقتدار بنائے چنانچہ اللہ کا ارادہ پورا ہوا اور فرعونی ناکام ہو گئے مقصود اس داستان سے مکی مسلمانوں کو تسلی دینا ہے۔

زیر بحث آیتوں میں بھی اور آپ کے پیرؤوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ جب کہ ہم نے تم پر قرآن کی دعوت فرض کی ہے تو ہم ضرور تم کو شاندار انجام تک پہنچائیں گے پہلی آیت میں معاد کا لفظ آیا ہے جس کے معنی انجام و نتیجہ کے ہیں۔ جیسا کہ دیوان حماسہ کے اس شعر میں آیا ہے۔

دیکھیں جب ہم
ممدوح کے پاس پہونچیں گے تو بہترین انجام سے بہرہ ور ہوں گے۔ وہ خوب ہم پر داد و دہش کی بارش کرے گا،

مطلب یہ ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں میں تمہارا انجام اچھا اور شاندار ہو گا۔ دوسری بات یہ جاننے کی ہے کہ خطاب اگرچہ پیغمبر سے ہے لیکن تمام اہل ایمان بھی اس

خطاب میں شریک ہیں اور اس کی دلیل آیت ۱۰۸ کا آخری جملہ ہے جس میں جماعت کو خطاب کیا گیا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صرف نبی پر قرآن کی دعوت و تبلیغ فرض نہیں ہے اہل ایمان پر بھی دعوت و تبلیغ فرض ہے یہ بات دوسری بہت سی سورتوں اور آیتوں سے واضح ہوتی ہے اور اسی وجہ سے نبیؐ پر جو لوگ ایمان لائے وہ جتنا دین سیکھتے دوسروں تک پہنچاتے اور خود نبیؐ بھی لوگوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر ان کے حلقۂ تعارف میں بھیجتے اور ان سے رپورٹ لیتے تھے جیسا کہ سیرت ابن ہشام وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے

"معادی اعلم" یہ جواب ہے مخالفین دعوت کے اس پروپیگنڈہ کا کہ اے مسلمانوں تم گمراہ ہو اور تمہارے حصے میں ناکامی آئے گی۔ نبی کی زبان سے اس کا جواب دیا گیا کہ میرا رب خوب جانتا ہے کون راست رو ہے اور کون کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ انہیں لوگوں کو کامیاب اور بامراد کرے گا جو اس کی راہ پر چل رہے ہوں۔ لیکن یہ بات لپیٹ کر کہی گئی ہے کیونکہ نبی کی زبان سے ادا ہو رہی ہے جہاں بھی آپ قرآن میں دیکھیں گے، انبیا کا جواب درد و سوز میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے اور کوئی ایسا فقرہ نبی کی زبان سے نہیں نکلتا جو مخالفین کے لئے ادنیٰ درجہ میں بھی اشتعال انگیز ہو۔

انبیائی طرز کلام پر بعد میں لکھنے کا ارادہ ہے۔ اللہ اسے پورا کرے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ داعیانِ حق کا طرز خطاب کیسا ہونا چاہیئے

آیت ۸۶ میں یہ بات کہی گئی کہ تم نبوت کے طلبگار یا امیدوار نہیں تھے یا تمہارا انتخاب اللہ تعالیٰ نے کیا ہے یا خدا کا تم پر فضل ہوا ہے اس فضل و انعام کا شکر اس طرح ادا ہونا چاہیئے کہ تم لوگ مخالف طاقتوں کے دباؤ میں آکر ان کے مددگار و پشت پناہ نہ بنا کبھی کسی بھی پہلو سے کفر و شرک کا اثر مت قبول کرنا اور اللہ کے احکام پر یکسوئی کے ساتھ عمل کرنا اپنے رب کی دعوت دینا اور کسی طرح کا دباؤ قبول نہ کرنا۔ اور ان کے شرکانہ عقائد سے دور رہنا خدائے حی و قیوم کی توحید پر مضبوطی سے جمے رہنا۔ فیصلہ کا اختیار اسی کو ہے اور وہ تمہارے حق میں فیصلہ کرے گا۔ یہاں بھی اور وہاں بھی یہ خلاصہ ہے ان تمام آیتوں کا۔ ان آیتوں سے یہ بات واضح طور پر نکلتی ہے کہ ارباب اقتدار۔ قریشی لیڈر مسلمانوں کو ستا ستا کر ان کو پکڑی ہوئی مکمل توحید سے ہٹا دینا چاہتے ہیں۔ اس لئے اللہ نے مختلف جملوں اور آیتوں میں اس پر متنبہ کیا۔ بتایا کہ تم لوگ ہرگز ان کے دباؤ میں نہ آنا۔ توحید پر جمے رہو اور توحید کی دعوت دیتے رہو۔ شرک کا کوئی اثر قبول نہ کرو اور یہ جانتے رہو کہ خدا زندہ ہے وہ کبھی نہیں مریگا اسی کے ہاتھ میں سب کچھ ہے وہ تمہارا مرجع کل ہے۔

آیت ۸۶ میں ظہیر کا لفظ آیا ہے جس کے معنی پشت پناہ اور مددگار کے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ داعیانِ حق اگر مخالف طاقتوں سے مرعوب ہو کر ان کے نظریات قبول کر لیں یا کچھ مصالحت پسندی کی روش اختیار کریں تو یہ گویا کافروں کی پشت پناہی یا مدد کرنے کے مترادف ہوگی۔ آخری آیت کا آخری جملہ دو مفہوم رکھتا ہے۔ ایک مشہور مفہوم یہ کہ تم مرنے کے بعد حساب کتاب کے لیے اس کے پاس لے جائے جاؤ گے۔ اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ وہی تمہارا واحد سہارا اور مرجع کل ہے اور کوئی تمہارا ساتھی اور مددگار نہیں ہوگا۔ لہٰذا اسی مرجع کل اور واحد سہارے پر اعتماد باقی رکھو اور اس کی ہدایت پر عمل کرو۔ تمام امور کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے لہٰذا کافروں کے دباؤ میں آکر انجماد سے نہ ہٹنا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان آیتوں پر عمل کی توفیق بخشے۔ آمین

●●

نصر اللہ خان عزیز

اسلامی زندگی

تقویٰ!

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے یہاں چند مہمان آ گئے تھے۔ گھر والوں کے پاس روٹیاں تو موجود تھیں، سالن نہیں تھا۔ یہ مالی حالات اس شخص کی تھی جس کے حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت عالم اسلام کے بے تاج بادشاہ اور دلوں کے سلطان تھے۔

حضرت حسنؓ نے اپنے غلام قنبر سے کہا۔

قنبر! مہمان کے لئے سالن کا انتظام کرو۔

اے سبط رسولؐ! امیر المومنین کے یہاں یمن کا شہد آیا ہے۔ اگر حکم ہو تو اس میں سے کچھ لے آؤں۔"

"مگر وہ تو بیت المال کا ہے۔ ابا جان، اجازت نہ دیں گے کہ اس میں سے کچھ لے لیں۔"

"درست ہے مگر اس میں آپ کا بھی حق ہے۔ جب وہ حق آپ کو ملے گا تو اس قرض کو واپس کر دیجئے گا۔"

"ہاں، یہ معقول بات ہے۔ اس میں دیانت کے خلاف کوئی بات نہیں۔"

ایک مشک کا منہ کھول کر اس میں سے ایک رطل شہد لے لیا گیا۔ اور مشک کا منہ بند کر دیا گیا۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ مشکوں میں سے ایک مشک میں شہد کی کمی دیکھ کر قنبر سے پوچھنے لگے:

یہ کم کیوں ہے؟

"امیر المومنین! حسنؓ نے اپنے مہمان کے لئے اس میں سے کچھ شہد لیا تھا۔"

"حسنؓ کو بلاؤ!"

حضرت حسنؓ حاضر خدمت ہو گئے۔

"حسنؓ! یہ کیا حرکت ہے تم نے تقسیم سے قبل شہد کیوں لیا اور تمہیں یہ جرأت کیوں کر ہوئی۔ کیا اس لیے کہ تم امیر المومنین کے فرزند ہو؟"

نہیں ابا جان! امیر المومنین کے فرزند ہونے کے باعث نہیں بلکہ اس خیال سے کہ اس مال میں میرا بھی حق ہے جب تقسیم ہوگا تو میں یہ قرض واپس دے دوں گا۔

اچھا تم نے یہ منطق اختیار کی، لیکن یہ بتاؤ کہ تمہیں یہ حق کہاں سے حاصل ہو گیا کہ تم اور لوگوں کے حق سے پہلے اپنے حق سے فائدہ اٹھاؤ۔

حضرت حسنؓ اس استدلال کے سامنے لاجواب تھے۔

بیت المال کی حفاظت

حضرت علی رضی اللہ عنہٗ خلافت راشدہ کی مسند پر جلوہ گر تھے۔ پوری سلطنت کا سیاہ و سفید ان کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ ان کے محبوب بھائی عقیل حاضر ہو سکتے ہیں اور اپنی ناداری و افلاس کی داستان بیان کرکے امداد کی درخواست کرتے ہیں۔

امیر المومنین نے فرمایا۔

"عقیل! چند روز صبر کرو۔ مسلمانوں کے لئے مال آئیگا تو دوسروں کے ساتھ تمہیں بھی حصہ مل جائے گا۔"

"مگر امیر المومنین! مجھے تو اس وقت ضرورت ہے کیا مجبور ہو کر حاضر ہوا ہوں۔"

حضرت علیؓ نے ایک آدمی (غلام) کو آواز دی اور فرمایا،

"دیکھو عقیل کو بازار لے جاؤ اور ان سے کہو کہ جس دکان کو چاہیں اس کا قفل توڑ کر اس کے اندر جو کچھ ہے لے لیں۔"

امیر المومنین! آپ مجھ کو چوری کرنے پر آمادہ فرما رہے ہیں۔

حضرت عقیل نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔

ہاں! اس لئے کہ تم مجھے آمادہ کرنا چاہتے ہو کہ میں مسلمانوں کا مال چوری کر کے تمہیں دے دوں۔ امیر المومنین نے برجستہ جواب دیا۔

خدمت خلق

حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے حمص کے گورنر سعید بن عامر کو ایک ہزار دینار بھیجے کہ اس رقم سے اپنی ضرورتوں کو پورا کر لیں۔ کیونکہ ان کے پاس نہ کافی کپڑے تھے اور نہ گھر کا کام کاج کرنے کے لئے کوئی خادم۔

ان کے نیک خدمت و وفا بیوی نے دینار دیکھے تو قدرتی طور پر خوش ہوئیں اور اپنے خاوند سے کہا۔

یہ بہت اچھا ہوا۔ اس سے ہم ایک غلام خرید لیں گے تاکہ گھر کے کام کاج سے کچھ فراغت ملے۔

"مگر اے رفیقۂ حیات! میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں۔" حضرت سعید نے اپنی بیوی سے کہا۔

کیوں نہیں! اگر اس سے کوئی بہتر چیز ہے تو اس رقم کو صرف کر دینا زیادہ بہتر ہوگا۔ ان کی رفیقہ نے جواب دیا۔

حضرت سعید نے کہا:

"تو آؤ یہ دینار ایسے لوگوں کی خدمت پر صرف کر دیں جو ہم سے زیادہ محتاج اور پریشان حال ہیں۔"

یہ سن کر بیوی نے جواب دیا:

ہاں، یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔

پھر دیناروں کو الگ الگ پوٹلیوں میں باندھ کر مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں میں تقسیم کر دیا۔

بقیہ اسلامک کونسل صفحہ ۲۷ کا

اخبارات کی ان خبروں اور بعض اخبارات کے تبصروں سے میر اور جماعت اسلامی ہند کے بارے میں خواہ مخواہ کی غلط فہمیاں پیدا ہو رہی ہیں اور کچھ لوگوں نے جماعت کے بارے میں چہ میگوئیاں بھی شروع کر دی ہیں اور بعض نے حقیقت حال کے بارے میں استفسار کیا ہے۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ واضح کر دوں کہ اس تنظیم یعنی اسلامک کونسل آف انڈیا سے میرا یا جماعت کے کسی فرد کا کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ ہمارا تعلق آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت سے ہے۔ ہم سب کو متحد ہو کر مجلس مشاورت کو ہی مضبوط، موثر اور فعال بنانے کی فکر کرنی چاہئے۔ ویسے جماعت کی ہمیشہ یہ پالیسی رہی ہے کہ جو بھی ملک و ملت کی صحت مند تعمیر کی کوشش کرتا ہے خواہ وہ افراد ہوں، تنظیمیں ہوں یا حکومت اور اس کے ادارے ہوں اسلام کے اصولوں کے تحت ان کے نیک کاموں میں ہم ان سے تعاون کرتے رہے ہیں۔ اس نئی تنظیم کی کوششوں کو دیکھ کر اس کے سلسلے میں بھی ہمارا یہی رویہ رہے گا۔ ★ ★

طالب، جامعۃ الفلاح

رجم سے متعلق ایک طالبعلمانہ سوال

علماء ہند و پاک کی خدمت میں

رجم سے متعلق اپنی اشکالات آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں اور جواب کا امید وار ہوں۔

الف:- قرآن مجید میں سورہ فرقان آیت ۶۸ میں مومنین عباد الرحمٰن کی صفات بیان کرتے ہوئے یہ بتایا گیا کہ وہ زنا نہیں کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ دونوں مراد ہیں۔ اسی طرح عورتیں بھی اس میں داخل ہیں چاہے شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ اور سورہ بنی اسرائیل آیت ۳۲ میں نہی کی شکل میں فرمایا "ولا تقربوا الزنیٰ" اس میں تمام اہل ایمان مخاطب ہیں خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں اور خواہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ

ب:- سورہ نساء آیت ۱۵، ۱۶ میں زنا کی ابتدائی سزا بیان ہوئی ہے ان دونوں آیتوں کا ترجمہ یہ ہے۔

تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں زنا کا ارتکاب کریں تو اپنے میں سے چار گواہ ان کے بارے میں طلب کرو۔ اگر یہ چاروں گواہ گواہی دے دیں تو ان عورتوں پر گھروں میں رہنے کی پابندی لگادو یہاں تک کہ ان کو موت آجائے یا اللہ ان کے لیے کوئی اور راستہ (قانون) تجویز کر دے۔

اس آیت پر "من نسائکم" کے الفاظ آئے ہیں اس کا ایک مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ تمہاری بیویوں میں سے جو زنا کا ارتکاب کریں۔ چنانچہ اس معنی کی نظیر آیت ۲۳ سورہ نساء ہے۔ نیز آیت ۲۳ میں بھی یہی لفظ آیا ہے اسی معنی میں آیا ہے۔ اور من نسائکم کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ تمہاری عورتوں میں سے یعنی مسلمان عورتوں میں سے جو بھی زنا کا ارتکاب کرے اس کی نقل و حرکت پر پابندی لگادو

اور آیت ۱۶ کا ترجمہ یہ ہے۔

اور اے مسلمانو! تم میں سے جو دو شخص زنا کا ارتکاب کریں تو ان دونوں کو تکلیف دہ کلمات کہو اور ایذا دو تاکہ ان کے اندر توبہ (کا جذبہ پیدا ہو) تو اگر وہ توبہ کر لیں اور اپنے طرز عمل کو درست کر لیں تو تم ان دونوں سے درگذر کرو (یعنی ان کو ان کے گناہوں سے درگذر کرو) بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمانے والا اور رحیم ہے (اگر اللہ رحیم و تواب ہے تو تم شخص ایک دفعہ جرم کرنے کے نتیجے میں اپنی ان کا ہوں سے کیوں گذار گے۔)

آیت ۱۵ میں زانی عورت کا ذکر اس لئے الگ کیا گیا کہ جو سزا دی جارہی ہے وہ مرد کو نہیں دی جاسکتی تھی۔ آیت ۱۶ میں زانی مرد اور زانیہ عورت دونوں سزا میں شریک یعنی ان کو شرم دلائی جائے، تکلیف دہ کلمات کہے جائیں ملامت کی جائے گی تاکہ ان کے اندر غلطی کا احساس پیدا ہو اور وہ توبہ کریں۔ ان آیتوں میں من نسائکم عام ہے جو شادی شدہ اور غیر شادی شدہ دونوں کو

ج: سورہ نساء کے وعدے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے سورہ نور میں سو کوڑوں کی سزا تجویز کی ہے اس میں "الزانیۃ والزانی" کے الفاظ آتے ہیں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کی کوئی قید نہیں ہے۔ اسی آیت میں عذابہما کا لفظ آیا ہے جس سے مراد بالاتفاق ائمہ تفسیر سو کوڑے ہی مراد ہیں۔ اس کے بعد آیت ۸ میں اس عورت کا حال بیان کرتے ہوئے جس پر اس کے شوہر نے الزام لگایا ہے فرمایا:

اس کا مطلب یہ ہوا۔ اسی تہمت زدہ بیوی سے العذاب کو ہٹا سکتی ہے یہ بات کہ وہ چار مرتبہ قسم کھا کر کہے کہ میرا شوہر جھوٹ بولتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ العذاب سے کونسی سزا مراد ہے اگر یہ عورت قسم نہ کھائے انکار کردے تو اسے کیا سزا دی جائیگی اگر یہاں پر "عذاباً" کا لفظ ہوتا تو ہم کہہ سکتے تھے کہ کوئی سزا دی جائے لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ معرفہ ہے اس پر "ال" داخل ہے اگر آیت میں "عذابہما" جو معرفہ ہے اس سے سو کوڑے مراد ہیں تو یہاں آیت ۸ میں العذاب سے وہی سو کوڑے مراد ہوں گے۔ اگر اس سے مراد قید میں ڈالنا ہے جیسا کہ اہل تفسیر کہتے ہیں تو اس کی دلیل کیا ہے اور اگر عربی قواعد کے لحاظ سے اس سے سو کوڑے ہی مراد ہوں تو یاد رہے کہ عورت شادی شدہ ہے تو پھر یوں کیوں نہ کہیے کہ سورہ نور آیت ۲ میں زانی اور زانیہ عام ہیں شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔ تو پھر شادی شدہ عورت کے لئے رجم کی سزا کا ماخذ کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شادی شدہ عورت کو اپنے زمانہ خلافت میں جمعرات کو سو کوڑے لگائے اور جمعہ کو رجم کیا اور غالباً کسی سوال کے جواب میں فرمایا کہ جلدتھا بکتاب اللہ ورجمتھا بسنۃ رسول اللہ۔ سوال یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے اس ارشاد کا مطلب کیا ہے اس سے شبہ ہوتا ہے کہ رجم کتاب اللہ میں نہیں ہے، رجم ایک تعزیری سزا ہے جو امام وقت کسی کو دے سکتا ہے۔ کس کو وہ سنگسار کرے یہ الگ سوال ہے اور دونوں سزاؤں کو جمع کرنا اگرچہ اس کو فقہاء نے تسلیم نہیں کیا یہ بھی ہم نہیں پوچھتے ہمارا اصل اشکال یہ ہے کہ رجم کا ماخذ کتاب اللہ میں کیا ہے؟ یہ بات کیسے معلوم ہوئی سورہ نور آیت ۲ میں غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ مراد ہیں اور کیسے نبیؐ نے جانا کہ یہ غیر شادی شدہ سے متعلق آیت ہے۔

امید ہے کہ ان طالب علمانہ اشکالات کا جواب ایک شفیق معلم کی حیثیت سے دینے کی کوشش کریں گے ●●

ہم جاگے انہیں کی اذاں سے تھے

۱۹۴۹ء میں مولانا مودودیؒ نے راولپنڈی میں جماعت اسلامی کا ذیلی مرکز قائم کیا اور مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا عبدالجبار غازی اور مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم راولپنڈی منتقل ہو گئے۔ یوں مولاناؒ کی راولپنڈی میں آمد و رفت شروع ہو گئی۔ اسی زمانے میں جماعت اسلامی راولپنڈی کا سالانہ اجتماع گلبرگ گارڈن میں منعقد ہوا۔

مولانا راولپنڈی تشریف لائے تو مجھے ان سے بالمشافہ گفتگو کرنے اور قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ میرے ذہن میں اندیشہ موجود تھا کہ کہیں مولانا بھی پیر صاحب اور عام مولویوں کا سا رنگ ڈھنگ نہ رکھتے ہوں۔ میں انھیں مودودی صاحب مودودی صاحب کہہ کر مخاطب کرتا رہا اور وہ بغیر کسی احساس برتری و بزرگی کے میری باتوں کا جواب پوری توجہ سے دیتے رہے۔ نہ کوئی بناوٹ، نہ دکھاوا، نہ تصنع اور نہ کسی قسم کا کوئی تکلف۔ آخر مجھے خود خیال آیا اتنی بڑی شخصیت کے ساتھ کچھ تو ادب و احترام کے

بقیہ صفحہ ۱۶ پر

جعفر بلوچ

ندائے صفا

صفا کی روشن بلندیوں سے
مرے نبیؐ کی ندائے باطل گداز ابھری
قریش کو آپؐ نے پکارا
وہ آگئے تو ہوا یہ ارشاد!
اگر میں کہہ دوں
کہ ایک لشکر پہاڑ کے اس طرف کھڑا ہے۔
تو کیا مری بات مان لوگے؟

✻

وہاں کئی اہلِ علم و اربابِ سیف ہوں گے۔
کئی کمیت شناس و دانائے کیف ہوں گے
جہاں گمان و ابہام ہوں گے اُن میں
رہینِ شک و ریب بھی عام ہوں گے ان میں
کئی مفکر کئی مبلغ
کئی سیاست کے عبقری بھی
کئی تجارت کے مشتری بھی
محققین و فلاسفر بھی
یلانِ بحث و مناظرہ بھی

✻

مگر کسی میں نہ تھی یہ جرأت
کہ وہ محمدؐ کے قول کو معتبر نہ سمجھے
بیک زباں لوگ بول اُٹھے:
نہیں یہ ممکن کہ آپ کی بات ہم نہ مانیں
کہ ہم نے سچ کے سوا کبھی کچھ سنا نہیں آپؐ کی زباں سے

✻

پھر آپؐ بولے:
اگر یوں ہی ہے تو مطلب اور تیم و زہرہ، مناف و مخزوم
اور اسد کے قبیلو، سُن لو!
میں کہہ رہا ہوں
سوائے اللہ کے خدا کوئی بھی نہیں ہے!!

ابو محمد امام الدین رام نگری

اسلام اور مسلمانوں کو ہندوستان کی دین

علامہ شبلیؒ

ہمارا ملک ہندوستان اسلام اور مسلمانوں کے حق میں بڑا بافیض واقع ہوا ہے۔ اس نے مسلمانوں کو دولت و ثروت دی، جاگیرداری دی، سلطنت و حکومت دی۔ بڑے بڑے حکمراں اور فرماں روا دیئے، بڑی علمی اور روحانی شخصیتیں دیں، مسلمانوں نے بھی جو باہر سے آئے تھے، ہندوستان کو اپنا وطن اور مولد و مدفن بنا لیا۔ اس کی محبت اور قدردانی، اس کی خدمت، اس کو بنانے، سنوارنے سجانے اس کے روپ کو نکھارنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اس کو نئی تہذیب دی، نئی ثقافت و تمدن دیا، نئے علوم و فنون دیئے۔ ایک دل آویز نئی زبان دی اور اس کی تاریخ میں ایک جدید زرنگار باب کا اضافہ کر دیا۔ لیکن افسوس کہ موجودہ دور میں اس باب کو بگاڑا اور مسخ کیا جا رہا ہے، ایسا کرنے والے یہ نہیں سمجھتے کہ وہ مادر وطن کا روپ بگاڑ رہے ہیں۔ لیکن اس وقت ہمارا مقصد ان باتوں کا تذکرہ نہیں۔ ہندوستان نے اسلام اور مسلمانوں کو کیا دیا اس کا ایک نمونہ دکھانا ہے۔ پچھلی صدیوں کا ذکر نہیں، موجودہ صدی میں بھی علم و فضل کے اعتبار سے مسلمانوں میں ممتاز شخصیتیں گذری ہیں لیکن ان میں کسی کو کسی علم و فن میں کمال و امتیاز حاصل تھا۔ تو کسی کو کسی علم و فن میں علامہ شبلیؒ کی سی کوئی دوسری شخصیت موجودہ دور میں نظر نہیں آتی، علامہ کے شاگرد اور جانشین علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:۔

اسلام کا گوہر بار بادل ایک ہزار سال سے برابر ہندوستان کی اقلیم پر مصروف بارش ہے، کتنی بار سحاب نیساں بن کر اٹھا اور اس عجائب زار ہند کا دامن لعل و گہر سے بھر گیا۔ اسی طرح کا ایک ابر خون کی بارش برساتا ہوا ۱۸۵۷ء میں تمام ملک پر چھا گیا، ہر جگہ خون برسا لیکن کہیں کہیں خون کے لوتھڑوں کے بجائے سرخ یاقوت برسے جس میں ایک کو قدرت نے شبلی کا نام دے کے موسوم کیا۔

ہندوستان کی سیر حاصل زمین نے فقہ و حدیث میں صنعانی، علی متقی، شیخ عبدالحق، کلام اور اسرار شریعت میں بحر العلوم اور شاہ ولی اللہ، ادب و معانی میں [illegible] ملک العلماء اور ملا محمود، فلسفہ و منطق میں ملا نظام الدین اور محب اللہ، ادب و شاعری میں مسعود سلمان، خسرو اور فیضی، تاریخ وغیرہ میں برنی، ابو الفضل اور آزاد بلگرامی کو پیدا کیا لیکن اس کی آغوش کا آخری فرزند شبلی تھا جو عبدالحق بھی تھا اور شاہ ولی اللہ بھی، ملا محمود بھی تھا اور فیضی بھی محب اللہ بھی تھا آزاد بھی اور کم از کم وہ یگانہ الفراد ان میں سے اکثر کے برابر اور بعضوں سے بہتر تھا۔

(ماہنامہ خضر راہ مارچ ۱۹۳۶ء)

ہمارے نزدیک تو اپنی جامعیت کے اعتبار سے علامہ شبلی موجودہ صدی کے اہم ترین اور ممتاز شخصیتوں میں منفرد تھے۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے ان کو اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے اکابر کی صفوں میں کھڑا کر دیا یہ انہیں کا حوصلہ اور حق تھا۔

اس کے بعد سید صاحب نے اختصار سے دکھایا ہے کہ تیرہ صدیوں میں اسلام کو کیسے کیسے افکار و نظریات کا سامنا ہوا اور ان کے مقابلے کے لئے کیسے کیسے باکمال اشخاص اٹھے، اور کامیاب ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد اسلام کو یورپ کے افکار و نظریات کا سامنا ہوا اس کے متعلق سید صاحب لکھتے ہیں۔

"جدید عقل و فلسفہ اور تمدن و تہذیب کا حملہ متواتر دنیائے اسلام کے ہر گوشہ پر تھا۔"

مولانا کے حریف معرکہ تلوار کا صرف ایک ہی وار جانتے تھے، متکلم و فلسفی تھے یا فقط انشا پرداز زبان آور و سخن فہم تھے یا شاعر سخن سنج لیکن یہ یگانۂ روزگار مجموعہ ہر علم و فن تھا جس رستے پر قدم رکھا میدان میں سب سے آگے نظر آیا۔ جوہر قرآن اور فقہ و حدیث کا نشیمن اس عہد میں صرف اس کا سینہ تھا، تاریخ کا اس عہد میں صرف وہی جوہری تھا۔ فلسفہ و کلام کا وہ امام تھا، شاعری کا کہنہ مشق استاد تھا، انشا پردازی کے پامال کوچہ میں بھی اس کی راہ الگ تھی انشا پردازی و زبان آوری ان دونوں کشوروں میں صرف اسی کا سکہ رواں تھا۔ سخن فہمی و سخن سنجی اس کے طائر سخن کے دو شہپر تھے ...... (ماہنامہ شعر و ادب شبلی نمبر مارچ ۱۹۸۳ء)

سید صاحب نے اس اقتباس میں تحریر فرمایا ہے۔

جوہر قرآن اور فقہ و حدیث کا نشیمن اس عہد میں "صرف" اسی کا سینہ تھا۔ اس فقرے میں "صرف" زائد ہے۔ سید صاحب نے آگے چل کر لکھا ہے۔

اس وقت ہندوستان کے گوشوں میں مستقل درس گاہوں کے مالک لکھنؤ میں مولانا عبد الحی فرنگی محلی دہلی میں مولانا نذیر حسین محدث، رامپور میں مولانا لطیف الحسن مولانا ارشاد حسین فقیہ، اور سہارنپور میں مولانا احمد علی صاحب محدث تھے۔ اور دیوبند کا مجمع العلماء اب کی طرح پہلے بھی کم نہ تھا۔

ان بزرگوں کے متعلق یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا کہ ان کے سینے جوہر قرآن اور فقہ و حدیث کے نشیمن نہ تھے؟ خود علامہ مرحوم کے بھائی امام التفسیر علامہ حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ سید صاحب نے یہ مضمون ۱۹۴۰ء میں تحریر فرمایا تھا۔ لاجرم صدائے انا لہ لحافظون کے مطابق ہر گوشہ سے علمائے ملت لبیک گو دوڑے۔ ترکستان، روس، ایران، قسطنطنیہ، عراق، شام، مصر، تونس، الجزائر، مراکش ہر جگہ مصلحین و مجددین نے ظہور کیا، ہندوستان کی اسلامی آبادی تمام ممالک اسلام کی آبادی سے عظیم الشان تھی، ضروری تھا کہ اس طائفہ مقدس کا وجود یہاں عظیم العدد و عظیم المرتبہ تھا۔

یہی سبب ہے کہ صدائے اصلاح و تجدید جس عظمت و نظام اور بلند آہنگی کے ساتھ یہاں اٹھی دوسرے ممالک میں نہیں اٹھی اور جو فروغ و تکمیل یہاں میسر ہوئی دیگر بلاد اسلامیہ میں نصیب نہیں ہوئی۔

ہندوستان کا دور اصلاح جن افراد پر مشتمل تھا ان کا عنصر یقیناً وہی تھا۔ جن کے لبوں سے غزلوں میں صد کرامات پنہاں تھیں، اور جس کی ریش سپید کی درازی سحر کی چھٹکی ہوئی چاندنی تھی، سر سید احمد خان، نواب محسن الملک، مولوی چراغ علی صاحب، عنایت رسول چریا کوٹی، مولوی کرامت حسین جونپوری (کلکتہ)، مولوی نذیر احمد، مولانا الطاف حسین حالی سب سے آخر میں خاتم المصلحین حجۃ الملۃ والدین شمس العلماء مولانا شبلی اسی دور کے ارکان عظام تھے۔

مولانا نائب مہتمم دارالعلوم مولانا شبلی اس بزم میں سب سے پیچھے آئے لیکن سب سے آگے پہنچے تھے۔ بکثرت انتشار جس کو کہتے ہیں ساتھ محامد و مناقب ان کی ذات میں ودیعت تھے اور تماشا گاہ عالم میں جو جوہر کمال انھوں نے دکھایا یقین ہے دنیا عرصہ تک نہ بھولے گی۔

شبلی تخیل از رہ ستیجان چشم گرفت
با ایں کہ ہیچ گونہ تخیل چشم نداشت

اب دیوبند کا وہ مجمع الکمال کہاں ہے۔ اب تو دیوبند کی آبرو صرف حضرت مولانا محمد طیب مدظلہ کی ذات ہے۔

بلاشبہ علامہ شبلی کا سینہ بھی جوہر قرآن اور فقہ و حدیث کا گنجینہ تھا۔ اور اپنی جامعیت کے اعتبار سے وہ منفرد تھے۔ اس کی ثبوت خود ان کی تصنیفات ہیں۔ سید صاحب ان کی تصنیف کی ترتیب کے مطابق سید صاحب نے یہ فہرست دی ہے۔

رسالہ گذشتہ تعلیم۔ الجزیہ، کتب خانہ اسکندریہ، المامون، رسائل شبلی، سیرۃ النعمان، الفاروق، سفرنامہ، الغزالی، علم الکلام، الکلام، مضامین عالمگیر، سوانح مولانا روم، موازنہ انیس و دبیر، شعرالعجم، مقالات شبلی، سیرۃ النبی، مجموعہ کلام اردو، عربی کتب۔ اسکات المعتدی، بدء الاسلام، الجزیہ، الانتقاد علی التمدن الاسلامی اور بعض جو مصری رسالوں میں چھپے، فارسی میں دیوان شبلی دستۂ گل، بوئے گل وغیرہ رسائل مختصر۔ یہ مستقل تصانیف ہیں۔ ان سے علامہ کی جامعیت اور ہمہ گیری کا پورا اندازہ نہیں ہوتا۔ ان کے مقالات کا مجموعہ کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔ موضوعات کی نظر سے دیکھئے تو معلوم ہوگا۔ علامہ ایک انجمن تھے جس میں ہر علم و فن کے باکمال اہل علم و متکلم، محقق اور نقاد [illegible] نظر آتے ہیں۔ اسلام کے خلاف ... نے مغربی معاندین و معترضین کی افترا پردازیوں، بہتان طرازیوں اور خیالی غلطیوں کی جس قدر پردہ دری کی ہے۔ ہمارے خیال میں ہندوستانی علماء میں کسی نے نہیں کی ہے۔

سید صاحب نے علامہ کی انشا پردازی کے سلسلے میں ان کی زبان اور طرز و اسلوب بیان کی خصوصیت کو واضح نہیں فرمایا ہے۔ علامہ کی تحریر سے پہلے اسلامی موضوعات پر علماء ادب و انشا کے اسلوب میں نہیں لکھتے تھے۔ ادبی کتابیں اور مضامین لکھنے والے انشاپرداز موجود تھے۔ علامہ نے اپنا سب سے جدا اسلوب ایجاد کیا جو فصیح بھی ہے اور رنگین اسلوب ہے۔ زیادہ دل آویز اور دلکش بھی۔ ان کی پوری تقلید تو کوئی کر نہ سکا مگر ہر مصنف کی تحریر میں علامہ کا اسلوب بولتا ہوا سنائی دیتا ہے۔

علامہ شبلی کی ایسی عظیم القدر اور عظیم الشان منفرد و ممتاز ہستی اسلام اور مسلمانوں کو ہندوستان کی دین ہے۔

علامہ نسباً راجپوت تھے۔ اعظم گڑھ دیار قدیم زمانہ میں اجودھیا کے راجپوتوں کے حدود حکومت میں شامل تھا۔ سلطانوں کے حملہ کے بعد اکثر راجپوت مغربی ہندوستان سے ترک وطن کرکے زیادہ تر فیض آباد، اعظم گڑھ اور بلیا میں آبسے۔ شاہان مشرقی کے زمانہ میں کچھ پٹھان بھی یہاں آباد ہوگئے۔ علماء، قضاۃ، عمال سلطنت، فقراء و مشائخ، سادات و شیوخ بھی بس گئے۔ سلطنت مغلیہ کے عہد میں کہیں کہیں مغلوں کی آبادی بھی ہوگئی۔ دو ایک مقامات میں اہل عرب بھی آباد ہوگئے۔ مگر اکثریت راجپوتوں کی رہی۔

سلطنت مغلیہ کے عہد میں اس خطے کی گورنری گوتم راجپوتوں کے خاندان میں تھی۔ ان کے مورث نے عہد جہانگیری میں اسلام قبول کیا۔ انکو سلطنت کی طرف سے "نادرہ دولت، نادری کچکان" کا خطاب عطا ہوا۔ اس خاندان کے ایک نامور بزرگ محمد اعظم شاہ نے اپنے نام پر شہر اعظم گڑھ آباد کیا۔ سکندرپور کا پرگنہ اسی میں موضع بندول علامہ شبلی کا وطن واقع ہے۔ زمانہ قدیم میں گلیٹڈ راجپوت

قابض کے قبضہ میں تھا (آئین اکبری جلد دوم صفحہ ۷۷)
انھیں قصبوں میں ایک قصبہ خاندان علامہ شبلی کے اسلاف
کا تھا۔ جس کے ایک رکن نے غالباً شرقی سلطنت کے عہد میں
اسلام قبول کیا۔ ان کا نام شیوراج سنگھ تھا۔ ان بزرگ
کے قبول اسلام کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ شدید گرمی
کے موسم میں انہیں صبح کو نہار منہ اپنے علاقہ پر جانا پڑا۔ واپس
آنے میں دیر ہو گئی۔ تیز دھوپ میں کئی میل کی مسافت طے
کرکے مکان پر پہنچے، بھوک پیاس سے بے تاب ہو رہے
تھے۔ گھوڑے سے اترے اور جوتہ پہنے ہوئے چوکے
ورسوئی گھر میں چلے گئے۔ ان کی چچی کھانا [illegible]
کا انتظام کر رہی تھیں۔ اور ہندو دھرم کی رسم کے
مطابق بے آب و دانہ تھیں۔ بگڑ کر بولیں۔ کیا نرے ترک
ہی ہو گئے ہو جوتہ پہنے چوکے میں چلے آئے۔ سارا کھانا بھرشٹ
کر دیا۔ شیوراج سنگھ کو اس طعنہ کی برداشت کہاں تھی۔
پھر عورت کے منہ سے۔ کہنے کو ذرا سی بات تھی۔ مگر
مشیت کو انھی دو لفظوں سے وہ کام لینا تھا جو کہ سیکڑوں
علماء کے بحث و مناظرہ اور وعظ و تبلیغ سے ممکن نہ تھا۔
مشیت ایزدی کو اس راجپوت کی نسل سے الفاروق اور
سیرت نبوی کا مصنف پیدا کرنا تھا۔ شیوراج سنگھ
نے چچی کے طعنہ کے جواب میں کہا "ہم کو ترک ہونے
کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ تو لو ہم سچ مچ ترک ہو جاتے ہیں۔ اسی
وقت گھر سے نکلے اور موضع کی خانقاہ کی مسجد میں جاکر
مشرف باسلام ہو گئے۔ نام سراج الدین رکھا گیا اور
وہ فی الحقیقت دین کا چراغ ثابت ہوئے۔ اور اس
چراغ سے کتنے چراغ روشن ہوئے اور پھر علامہ شبلی
رحمۃ اللہ علیہ وہ تو مہتاب شب تاب ثابت ہوئے
اور ان سے کتنے روشن ستارے نمودار ہوئے۔ علامہ
سید سلیمان ندوی، مولانا سید ابوالحسن علی میاں، مولانا
مسعود عالم اور کتنے دوسرے علماء سراج الدین کی ذریت

شاخ اپنے دھرم پر قائم رہی۔ یہ لوگ بندول کے قریب
موضع دھرمسن میں آباد ہیں۔ سراج الدین نے اسلام قبول
کرنے کے بعد اپنی زمینداری تقسیم کرائی۔ بعد میں اس خاندان
نے مزید اثر و رسوخ حاصل کر لیا اور سوا ضلع طوق کی چودھراہٹ
کا منصب حاصل کیا، جو آج کل کی تحصیلداری کے برابر
تھا۔ دینی شغف اور اسلامی خدمات کی بنا پر سراج الدین
صاحب کے پوتے سہراب کو ان کے مرشد نے بیعت
کی اجازت دے دی اور شیخ کے لقب سے ملقب
کیا۔ اس وقت سے اس خاندان کے لوگ خطابی طور
شیخ کہلانے لگے۔ ان کی خواتین اپنے کو خانم کہتی ہیں۔
کیونکہ اس اطراف میں جو راجپوت مشرف با اسلام ہوئے
وہ حکمران خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ عموماً خان،
خانزادہ یا پٹھان کہلاتے ہیں۔ لوگ اپنے آپ کو کسی
عربی النسل سے نسباً کمتر نہیں سمجھتے بلکہ اکثر تو مسلم خاندان
کے راجپوت دوسری نسل کے مسلمانوں سے ازدواجی
رشتہ کرنا معیوب سمجھتے ہیں۔ لیکن علامہ شبلی کے
خاندان کو اس حیثیت سے بھی امتیاز حاصل ہے کہ اس
خاندان نے عرب، مغل و پٹھان سے ازدواجی رشتہ
کرنے سے احتراز روا نہیں رکھا، خود علامہ شبلی کی ننھیال
شیوخ کے ایک معزز انصاری خاندان میں ہے۔

ماہنامہ الاصلاح نومبر ۱۹۳۶ء کے ایک مضمون سے ماخوذ

ہم نے قلم تو اٹھایا تھا اس بات سے متاثر ہو کر علامہ
شبلی نسباً راجپوت تھے، لیکن جب آگے بڑھا تو ہند
کی دین کا ایک طویل سلسلہ نظر آیا۔ جو لوگ خان اور
پٹھان کہلاتے ہیں اور ہندوستان کے ہر گوشہ میں
ہیں کون جانے کہ وہ غیر مسلم اقوام سے نہیں ہیں۔ ہمارے
دیار میں ایک قبیلہ گہروار ہندو نسل ہے۔ وہ اپنے نام
کے آگے "بابو" لگاتا ہے اور آخر میں خان۔ جونپور سے
متصل ایک تاریخی قصبہ ظفر آباد ہے۔ قدیم زمانے سے

دو خدا رسیدہ سہروردی بزرگوں نے [illegible] کو ستایا کرتا تھا، جہاد کیا تھا۔ راجہ نے شکست کھا کر اسلام قبول کیا۔ ہمارے دیار کے گھروں [illegible] راجپوت کی قوم سے ہوتے ہیں۔ تھوڑا ہی زمانہ ہوا سہسرام میں محمد فرخند گذرے ہیں۔ انھوں نے مدرسہ خیریہ قائم کیا تھا۔ جس میں عربی اعلیٰ درجے تک تعلیم ہوتی ہے۔ مولانا مرحوم مومن برادری سے تھے۔ انھوں نے ہم سے بتایا تھا کہ وہ نسباً ٹھاکر ہیں۔ اگر تحقیق کی جائے تو کتنے ہی علماء و شیوخ اور امراء و روساء نو مسلم ثابت ہوں گے۔ اس دور کے ایک نامور بزرگ مولانا عبیداللہ سندھی دیوبندی ولی اللہی فلسفہ کے ماہر سکھ تھے۔ حکیم الاسلام علامہ اقبال نسباً کشمیری برہمن تھے۔

بہت زمانے کی بات نہیں ہے۔ رام پور میں ایک بزرگ ہوئے ہیں جو بھگوتی پرساد سکسینہ سے فضل الرحمٰن ہوئے اور پھر تحسین جمالی ہو گئے۔ ستمبر [illegible] کے ماہنامہ "نور" رام پور میں ان کا انٹرویو شائع ہوا تھا۔ رام پور سے ترکِ وطن کر کے مرادآباد چلے گئے تھے۔ نور کے نمائندہ نے وہیں انٹرویو لیا تھا۔

تحسین جمالی صاحب ۱۹۰۶ء میں رام پور میں پیدا ہوئے۔ کیا عجب ابھی زندہ ہوں۔ ان کے والدین کے جو بچے ہوتے تھے وہ مر جاتے تھے۔ رام پور میں ایک باخدا بزرگ تسکین شاہ تھے۔ جمالی صاحب کی ماں ان کے پاس گئیں اور عرض کیا "میاں! میرے بچے پیدا ہوتے ہیں پر مر جاتے ہیں۔ آپ دعا کریں کہ اللہ مجھے زندہ رہنے والا فرزند بچہ عطا کرے۔" شاہ صاحب نے فرمایا "تو وعدہ کر کہ اس بچے کو خدا کی نذر کر دو گی تو میں دعا کر دوں۔ بے شک اللہ دعا کا سننے والا ہے۔"

جمالی صاحب کی ماں نے وعدہ کیا۔ شاہ صاحب نے دعا کی۔ جمالی شاہ پیدا ہوئے اور بھگوتی پرساد نام رکھا گیا

کیسے اللہ والے تھے تسکین شاہ رحمۃ اللہ علیہ! روحانی دنیا کا معاملہ بھی عجیب رمز و راز ہوتا ہے۔ جمالی شاہ ایک باخدا بزرگ کی دعا سے پیدا ہوئے تھے۔ ان کے ماموں سکھ لال کا معاملہ بھی بڑا عجیب ہے۔ پاگل قسم کے آدمی تھے کچھ لوگ انہیں مجذوب سمجھتے تھے۔ ایک روز جمالی صاحب کی ماں انہیں دودھ پلا رہی تھیں۔ سکھ بالی لال نے انہیں دیکھا تو کہا۔ "ارے! یہ تو اللہ بخش ہیں۔ یہ تو اللہ ہی اللہ پکاریں گے۔" جذب و جنون کے مارے سکھ پاسی کو جمالی صاحب کی ماں اور تسکین شاہ کے وعدہ و پیمان کا تو پتہ نہ تھا انہیں کیسے معلوم ہو گیا کہ بھگوتی پرساد تسکین شاہ کی دعا کا نتیجہ ہیں، بالفرض یہ معلوم بھی ہو تو شیرخوار بچے کے متعلق یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ یہ اللہ ہی اللہ پکارے گا۔ سکھ لال پاسی کے اندر یہ خدا پرستانہ روح نہ جانے کس اللہ والے کا فیض تھی۔ امتِ اسلامیہ کے ایسے روحانی واقعات سے تو تاریخ بھری ہوئی ہے۔ منکرینِ خدا سائنسدان اور فلسفی ان واقعات کی کیا توجیہ کریں گے۔

۱۹۱۱ء میں جمالی صاحب پانچ برس کے تھے تو رام پور میں طاعون پھیلا۔ جمالی صاحب بھی اس مرض میں مبتلا ہو گئے۔ ان کے بچنے کی کوئی امید نہ رہی تو ان کی ماں کو تسکین شاہ سے کیا ہوا وعدہ یاد آیا۔ انھوں نے اس کا ذکر اپنی ماں سے کیا انھوں نے کہا "اپنی نذر پوری کر اور بچے کو میاں کے پاس لے چل۔" ماں اور نانی جمالی صاحب کو لے کر شاہ صاحب کے پاس لے گئیں۔ اور جمالی صاحب کو ان کے قدموں میں ڈال دیا۔ شاہ صاحب بولے "اب تک کہاں تھیں اپنا وعدہ بھول گئی تھیں۔ اب مرنے کو لے کر آئی ہو۔ خیر جاؤ۔ اللہ اس کی حفاظت کرے۔"

جمالی شفایاب ہو گئے۔ ان کی عمر سات سال ہو گئی تو شاہ صاحب نے ان کو تعلیم کی طرف ان کے والدین کی توجہ دلائی مسلمانوں کی طرح ان کی رسم بسم اللہ ادا ہوئی۔

اس زمانے میں کایستھ عام طور پر اپنے بچے کو فارسی، اردو کی تعلیم دلاتے تھے، بعض قرآن مجید بھی پڑھتے تھے۔ دھوم دھام سے رسم بسم اللہ ادا ہوئی تھی۔ برادری کی دعوت کی جاتی تھی۔ تسکین شاہ کی تربیت سے جمالی صاحب پر اسلام کا رنگ چڑھتا جاتا تھا مگر ان کے والدین اس ڈر سے چپ رہتے تھے کہ انھوں نے بچے کو خدا کی نذر کر چکے ہیں دخل دینے سے چڑیں گے تو اپنے بچے کو کھو دیں گے۔

رفتہ رفتہ جمالی شاہ بلوغ کی عمر کو پہنچ گئے۔ اور اب ان کے قلب میں اسلام راسخ ہو چکا تھا۔ ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کے ماموں زاد بھائی مکند بہاری لال کو ان کے مسلمان ہو جانے کا اندیشہ ہوا تو وہ انھیں سوامی شردھانند کے پاس لے گئے۔ مگر وہ جمالی صاحب کے خیالات بدلنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اب ان کو قبول اسلام سے روکنے کے لیے ان کے ماموں پیارے لال نے ان کی شادی کی تجویز پیش کی اور رشتہ طے ہو گیا۔ شادی کی تاریخ مقرر ہونے سے پہلے ہی جمالی صاحب نے جامع مسجد میں جاکر اسلام کا اعلان کر دیا اور ان کا نام فضل الرحمٰن رکھ دیا گیا۔ اب سنئے ان کا نام تحسین جمالی کیسے ہوا؟ جمالی صاحب کے قبول اسلام کے تقریباً دو مہینے بعد تسکین شاہ نے خواب دیکھا کہ وہ جمالی صاحب کو خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں اور خواجہ صاحب فرما رہے ہیں کہ اس کا نام تحسین جمالی رہے گا۔ جمالی صاحب نے اس نام کو قبول کر لیا۔ تسکین شاہ کی تحریک سے ایک مسلمان خاندان میں جمالی صاحب کی شادی ہو گئی۔ جمالی صاحب کے تین بیٹے ہیں۔ محمد شمیم جمالی، محمد یامین جمالی، محمد یٰسین جمالی، تین لڑکیاں ہیں۔ محمد یٰسین کے چار بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔

[illegible] کے نمائندہ کے پوچھنے پر جمالی صاحب نے بتایا کہ تسکین شاہ کے ذریعہ ۷۰ آدمی اسلام قبول کر چکے تھے جمالی صاحب ۲۰ سے واقف تھے۔ ۷ آدمی صاحب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد حلقۂ اسلامیہ میں شامل ہوئے۔ جمالی صاحب کے ذریعہ ان کے رشتے کی خالہ کے بیٹے شیام موہن ماتھر مرادآباد میں رہتے تھے، ۱۹۶۰ء میں مسلمان ہو گئے ان کا نام رحمت اللہ ہے۔ ان کے تین بیٹے ہیں۔ محمد حسین جمالی، محمد نسیم جمالی، محمد شبیر جمالی۔ جمالی صاحب نے یہ بھی بتایا کہ ان کے طرز عمل سے متاثر ہو کر ان کے سات عزیز اور دس غیر قوم کے افراد حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

کیسی دل نواز داستان ہے علامہ شبلی کے اسلاف اور تسکین شاہ اور جمالی صاحب کی۔

بقیہ ہم جاگے

ساتھ پیش آنا چاہیے؛ چنانچہ مولانا کہہ کر خطاب کرنا شروع کیا۔ ایک ایسی ہی مجلس میں میں نے عرض کیا میرے ایک کانگریسی دوست یہ کہتے ہیں کہ مولانا مودودی نے کون سی نئی بات کہی ہے یہی باتیں مولانا ابوالکلام آزاد بہت عرصہ پہلے بہت بہتر انداز میں کہہ چکے ہیں اس میں مودودی صاحب کا کون سا کمال ہے؟

مولانا فرمانے لگے: آپ کے دوست بجا فرماتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ جب ہم سب سو رہے تھے یہ مولانا آزاد ہی کی آواز تھی جس نے ہم سب کو جگایا۔ لیکن ہم کیا کریں جس شخص نے صبح سویرے اٹھ کر مسجد میں اذان دینے کے بعد خود جاکر گھر میں سو رہا اب جو نمازی اس کی اذان سن کر مسجد میں ہو پہنچے، وہ تو جیسی کیسی نماز انہیں آتی ہے پڑھیں گے۔ مؤذن صاحب نہیں آتے تو ہمارے پاس اس کا کیا علاج ہے؟ لیکن بیشک ہمیں تسلیم ہے کہ ہم جاگے انہی کی اذان سے تھے۔"

بیادِ مجلسِ مودودی

داعی کے پیشِ نظر کیا رہنا چاہیے!

اس چیز کو میں نے بڑی تفصیل کے ساتھ مختلف مواقع پر بیان کیا ہے۔ اچھا ہو کہ آپ اس کو میری کتابوں میں پڑھ لیں۔ میں یہاں مختصر طور پر آپ کو دو باتیں بتاؤں گا۔ حکمت کیا چیز ہے اور موعظۃ الحسنہ کیا چیز ہے۔

حکمت یہ ہے کہ آپ جب کام کرنے اٹھیں تو اپنی تحریک کے نقطۂ نظر سے جائزہ لے کر دیکھیں کہ ہم کس وقت کس زمانے میں کن حالات میں کام کر رہے ہیں۔ تحریک کے نقطۂ نظر سے جائزہ لینے سے مراد یہ ہے کہ آپ اس لحاظ سے دیکھیں کہ آپ جو کام کرنے اٹھے ہیں۔ اس کام کے لحاظ سے اس وقت اس زمانے میں کون سی چیزیں اس مقصد کے لیے مددگار ہیں۔ ان کا ٹھیک ٹھیک آپ حساب لگائیں کہ وہ کس حد تک مددگار ہیں۔ جو چیزیں مانع ہیں ان کا اس پہلو سے جائزہ لیں کہ ان کی وسعت کیا ہے۔ کس پیمانے پر یہ پھیلی ہوئی ہیں۔ ان کی پشت پر کون سی قوتیں کام کر رہی ہیں۔ ان کا پس منظر کیا ہے۔ کہاں سے یہ آ رہی ہیں۔ ان کا مقابلہ کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ یہ حکمت ہے۔ ایک آدمی جو حکیم ہو وہ سب سے پہلے یہ دیکھنے کی کوشش کرے گا کہ میں کس زمانے میں اور کن حالات میں کام کر رہا ہوں۔ مثال کے طور پر ایک حکیم جب یہاں دعوتِ دین لے کر اٹھے گا تو یہ دیکھے گا کہ کتنا کچھ مسالہ گردوپیش میں موجود ہے جو اس کے لیے مددگار ہو سکتا ہے۔

مثلاً اسلام کو ماننے والی سوسائٹی ہے یا اسلام کی مخالف سوسائٹی ہے۔ اسلام کی منکر سوسائٹی ہے، اسلام کی دشمن اور مزاحمت کرنے والی سوسائٹی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ایک آدمی جو اسلام کی سخت مخالف اور دشمن سوسائٹی میں ہو وہ کوئی اور طریق کار اختیار کرے گا۔ ایک شخص جو اسلام کی منکر نہیں ہے، جس سوسائٹی میں ہو وہ کوئی اور راستہ اپنائے گا۔ اور اسلام کو ماننے والی سوسائٹی میں بالکل مختلف طریق کار اختیار کرے گا۔ وہ آدمی بالکل کم فہم ہو گا جو مسلمانوں میں پھیلی ہوئی بداخلاقیوں یا ان میں پائے جانے والے تساہل کو دیکھ کر یہ سمجھ بیٹھے کہ یہاں تو اسلام برائے نام ہے اور یہ سوسائٹی تو اسلام سے منحرف ہو چکی ہے۔ نتیجتاً اسی احساسِ غلط کے نتیجے میں وہ ایسا کام کرنا شروع جو مثلاً کفار کے اندر کرنے کا ہے۔

اسی طرح ایک داعی کو یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ کون سی قوتیں یہاں اسلام کے خلاف کام کر رہی ہیں، اور ان کی قوت کیا ہے؟ ان کے افکار کی بنیادیں کیا ہیں؟ ان کا فلسفہ کیا ہے؟ ان ساری چیزوں کا جائزہ لینا اس لیے ضروری ہے کہ ان سے مقابلہ کرنا ہے۔ مثال کے طور پر ایک آدمی جو پہلوان سے کشتی لڑنے جا رہا ہو وہ پہلے یہ دیکھے گا کہ یہ پہلوان کتنا طاقتور ہے۔ اس کا وزن کتنا ہے؟ اس کی طاقت کا کیا حال ہے۔ اس کے مقابلے میں مجھے کس قدر طاقت

فراہم

کرنی چاہیے۔ تب میں جا کر اس سے کشتی لڑوں۔ دوسرے کی طاقت کا اندازہ لگائے بغیر اکھاڑے میں اترنے والا آپ سے آپ پچھڑ جائے گا۔

اس کے ساتھ پھر حکمت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ لائن آف ایکشن (LINE OF ACTION) ایسی اختیار کی جائے جو زیادہ سے زیادہ موجود مواد کو استعمال کرنے کے لیے موزوں ہو اور جو طاقتیں مزاحم ہیں ان کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ طاقت فراہم کی جائے یعنی ایسی لائن آف ایکشن اختیار کرے کہ ان کا زور کم سے کم وقت میں آسانی کیساتھ توڑ دے۔ میرے نزدیک مختصراً حکمت کا مفہوم یہی کچھ ہے۔

موعظۂ حسنہ

دوسری چیز موعظۂ حسنہ ہے۔ موعظۂ حسنہ میں دو چیزیں خاص طور پر اہمیت رکھتی ہیں۔ گو اس کے دوسرے اور پہلو بھی ہیں۔ پہلی چیز یہ ہے کہ نصیحت، دعوت اور تبلیغ کرنے کا ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جو دوسرے شخص کے اندر ضد پیدا نہ کرے۔ دوسرے شخص میں کوئی غصے کے جذبات نہ ابھریں۔ دوسرے شخص سے آپ اس طرح اپیل کریں کہ اگر اس کی فطرت میں ذرہ برابر بھلائی موجود ہو تو وہ متاثر ہو جائے اور اگر اس کے اندر کوئی کجی اور شر ہو تو اس کو اور نہ زیادہ کام کرنے کا موقع ملے۔ اس معاملے میں ایک مرتبہ امام ابو حنیفہؒ نے ایک بڑی دلچسپ بات کہی۔ امام ابو حنیفہؒ ایک زمانے میں بہت بڑے متکلم تھے اور مناظرے کیا کرتے تھے۔ اُن کا اپنا بیان ہے کہ میں بصرہ میں جا کر ٹھہرتا تھا اور وہاں کے مختلف گمراہ فرقوں سے مناظرے کیا کرتا تھا۔ بعد میں ان کے اپنے صاحبزادے کو بھی علم کلام سے دلچسپی پیدا ہو گئی اور وہ بھی مناظرے کرنے لگے۔ امام ابو حنیفہ نے اپنے بیٹے کو مناظرے کرنے سے روکا۔ صاحبزادے نے کہا! ابا جان آپ بھی تو پہلے مناظرے کیا کرتے تھے۔ آپ آخر مجھے کیوں روک رہے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہم جب مناظرے کیا کرتے تھے تو یہ سمجھتے ہوئے کرتے تھے کہ جیسے ایک آدمی کے کندھے پر ایک پرندہ بیٹھا ہوا ہے اور کہیں ہم کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھیں کہ یہ پرندہ اُڑ جائے۔ اسی پرندے کو تو بچائے رکھنا ہے۔ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ جتنا کچھ ایمان ایک شخص میں موجود ہے۔ مناظرے کا مقصد اس کو بڑھانا ہوتا تھا نہ کہ جتنا کچھ ہے وہ بھی ختم ہو جائے۔ انہوں نے کہا کہ تم لوگ اتنی بے دردی سے مناظرہ کرتے ہو کہ جتنا کچھ ایک آدمی دین سے دور ہے تمہارے مناظرے کی بدولت اس سے بھی زیادہ دور چلا جاتا ہے۔

پس موعظۂ حسنہ یہ ہے کہ آپ دعوت و تبلیغ کا ایسا طریقہ اختیار کریں کہ جو دوسرے شخص کو زیادہ سے زیادہ اپیل کرے اس کے اندر ضد پیدا نہ کرے اس کو اور زیادہ دور نہ پھینک دیں۔ زبان اور طرز بیان ایسا ہونا چاہیے کہ آپ کو لوگوں کے قریب کرے اور ان کو آپ سے مانوس کرے نہ کہ ان کے دلوں میں آپ کے خلاف نفرت اور غصہ پیدا ہو۔

دوسری چیز جو موعظۂ حسنہ کے لیے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ آپ کسی شخص کو نصیحت کرنے اور اس کو سمجھانے کی سعی کرنے سے پہلے یہ جائیں کہ اس کی گمراہی کی پشت پر کیا چیز ہے اس کی گمراہی کے کیا محرکات ہیں پھر اس کو ایسے طریقے سے سمجھائیں جو اس کے دل و دماغ دونوں کو متاثر کرنے والا ہو۔ اگر وہ ذہنی الجھنوں میں مبتلا ہے تو اس کی ذہنی الجھنیں آپ رفع کرنے کی پہلے کوشش کریں پھر معقول دلائل کے ساتھ اسے مطمئن کرنے کی کوشش کریں۔ اگر کوئی شخص کسی ذاتی بگاڑ میں مبتلا ہے تو اس کے جذبات کو اپیل کریں اور ایسا طریقہ اختیار کریں جس سے اس کے جذبات میں اگر دین سے انحراف کرنے والی کوئی چیز ہو تو وہ پلٹ کر دین کی طرف مائل ہونے والی چیز بن جائے

تاج الدین اشعر رامنگری

غزل

بے حسی عام سہی، اس سے نہ ہارا جائے
اب ذرا دور سے اپنے کو پکارا جائے

تا ذرا دور تک آوازِ صداقت پہونچے
دل کو دار کی چوٹی سے پکارا جائے

اس سے پہلے کہ سجائیں مہ و انجم کی جبیں
کیوں نہ ان خاک کے ذروں کو نکھارا جائے

بندگی کا بھی سلیقہ نہیں جن لوگوں کو
ان کو اب تختِ خدائی سے اتارا جائے

حکمِ گلچیں ہے کہ اب کوئی نہ لے نامِ خزاں
یا اسے موسمِ گل کہہ کے پکارا جائے

خود فروشی ہی گوارا ہے اگر ہم نفسو!
اس قدر نرخ تو اپنا نہ اتارا جائے

اپنے دامن پہ کوئی قطرۂ خوں رہنے دو
تا کہ تم جاؤ جہاں ذکر ہمارا جائے

لوگ یہ بھول گئے کیسے سحر ہوتی تھی
اب تو اس رات سے کچھ دور گذارا جائے

آپ کے عہد میں جینے کی سزا جو بھی ملے
کم سے کم خلق کو بے موت نہ مارا جائے

دل کو جس انجمنِ ناز سے کل زخم ملے
اس کو ضد ہے اسی محفل میں دوبارہ جائے

روز جس کے لئے اخبار میں لکھتے ہو غزل
اس کی خدمت میں بھی آج ایک شمارہ جائے

صباح الدین ملک فلاحی

قوموں کا عروج و زوال قرآن کی روشنی میں

"قوموں کا عروج و زوال" وقت کا ایک اہم عنوان ہے۔
آج جب کہ مغربی تہذیب شکست و ریخت سے دوچار ہے۔ مادہ پرستی دم توڑ رہی ہے۔ الحاد و دہریت پسپا ہو رہی ہے۔ جاہلی نظریات اپنی تمام دلفریبیاں کھو چکے ہیں اور تمام جاہلی نظاموں کی بنیادیں کھوکھلی ہو گئی ہیں۔ مسلمان غفلت کی نیند سے بیدار ہو رہے ہیں۔ اہل اسلام زندگی کی نئی حرارت محسوس کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کی نوجوان نسل خود اعتمادی، جرأت و بیباکی، جد و جہد اور پختہ یقین کی دولت سے مالا مال ہو کر میدان کشمکش میں اتر رہی ہے۔ اس صورت حال میں اس عنوان کی اہمیت اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ آج ہمارے لئے انتہائی ضروری ہو گیا ہے کہ ہم اقوام عالم کے کمال و زوال اور بقا و فنا کے اسباب کا گہرا جائزہ لیں۔ ہم وہ فطری قوانین اور سائنٹفک اصول دریافت کریں جو تاریخ عالم میں قوموں، جماعتوں اور ملتوں کو بام عروج تک پہنچانے اور قعر ذلت میں گرانے کا سبب بنتے رہے ہیں۔ قومیت مسلم کی تاریخ مختلف نشیب و فراز سے گزرتی رہی ہے اور صحابہ کی ہزار سالہ شاندار تاریخ اس عنوان کے لیے بہترین مواد فراہم کرتی ہے۔

ہم مسلمانوں کے نزدیک قرآن کریم معاملات زندگی کی انسائیکلوپیڈیا ہے یا دوسرے لفظوں میں تمام مسائل کی شاہ کلید ہے اس لیے فلسفۂ عروج و زوال کو معلوم کرنے کے لیے سب سے پہلے ہم اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ نے متعدد قوموں کی تاریخ بیان کی ہے۔

قرآن مجید کا بنیادی نقطۂ نظر یہ ہے کہ زمین پر بسنے والا ہر فرد خدا کے یہاں بذات خود جوابدہ ہے۔ اسی لیے دنیا میں ہر فرد کو زندگی کے ہر شعبے میں اس بات کا اختیار ملنا چاہیے کہ وہ اپنی مرضی اور اپنی منشا کے مطابق جو راہ چاہے اپنا سکے۔ یہ خود مختاری ہر فرد کا بنیادی حق ہے کا تحفظ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ انسانی معاشرے میں امن و امان قائم ہو۔ اسی مصلحت کی بنا پر اللہ تعالیٰ قوموں کے لئے دنیا میں اصلاح اور جائز مفاد کو پسند کرتا ہے اور بگاڑ اور فساد کو ناپسند کرتا ہے

اس نقطۂ نظر کی رو سے دنیا میں تمام قوموں، گروہوں اور جماعتوں میں توازن پیدا کرنے ان کو فساد سے روکنے اور عام امن و امان قائم رکھنے کے لیے وہی قوم مفید اور کارآمد ہوتی ہے اور ہوتی رہی ہے جو موجودہ تمام قوموں میں سب سے زیادہ شجاعت، قوت ارادی، عزم، سعی و جہد، مقصد، عشق اور جذبہ ایثار و قربانی اور محنت کوشی کے اوصاف کی حامل ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا اصول بھی ہمیشہ یہی رہا ہے کہ ان بہادر و فنا کی حامل قوموں کو دنیا کی حکومت اور سربراہی ملی ہے۔ اسی

باب میں اللہ تعالیٰ نے اہل مذہب اور لامذہب گروہوں میں کوئی تفریق نہیں کی ہے۔ تاریخ کے تمام اکھاڑ پچھاڑ میں صرف قوت کی کارفرمائی رہی ہے۔ تاہم انسانوں کے امن و امان کا بنیادی مقصد کبھی اوجھل نہیں ہوا۔

ایک دوسرا بنیادی اصول جو قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ جب ان ہی غالب اور حکمراں قوموں نے اصلاح سے زیادہ فساد اور بناؤ سے زیادہ بگاڑ پیدا کرنا شروع کیا تو قدرت کے بااصول ہاتھوں نے انہیں فوراً ہی کان پکڑ کر امامت کے منصب سے ہٹا دیا اور کوئی دوسری قوم جو زیادہ اصلاحی اور تعمیری قوتوں کی مالک تھی۔ اس کی جگہ پر سرفراز ہو گئی۔ قرآن میں جن قدیم قوموں کا ذکر آیا ہے ان کی ہلاکت کے اسباب کا قرآن تفصیل سے ذکر کرتا ہے۔ قوم عاد، قوم ثمود، اصحاب مدین، قوم تبع، اصحاب الایکہ، قوم نوح، قوم فرعون، بنی اسرائیل یہ سب قومیں اپنے اپنے وقت کی بااقتدار قومیں تھیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے فطری اوصاف کی بنا پر حکومت کی نعمت سے نوازا تھا۔ لیکن جب بھی قومیں دنیا کی حریص، بزدل، عیش کوش، آرام طلب ہو گئیں اور اجتماعی ایثار قربانی کے جذبہ سے محروم ہو گئیں تو پوری قوم کی قوم اخلاقی دیوالیہ پن کی شکار ہو گئی۔ امن و امان کا خاتمہ ہو گیا اور بالآخر فطرت کے اٹل قانون نے انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ آپ غور کریں کہ یونانی قوموں کو زوال سے دوچار کیوں ہونا پڑا۔ اس لیے کہ ان کا تمدن انتہائی حد تک پست ہو چکا تھا۔ پورا معاشرہ بداخلاقیوں اور بدکرداریوں کا گہوارہ بن گیا تھا۔ طبقاتی تقسیم اور ناانصافی نے امن و امان کے بلند مقصد کو شدید نقصان پہنچایا تھا۔ ان کے اصلاحی کاموں کی فہرست بگاڑ کے کاموں کے مقابلے میں مختصر سے مختصر رہ گئی تھی اور ان کے مقابلے میں ایک ایسی بہادر، طاقتور، باعزم اور جد و جہد کرنے والی قوم ابھر رہی تھی جن سے اصلاح و تعمیر کی توقع زیادہ سے زیادہ کی جا سکتی تھی۔ چنانچہ مسلمان قوم نے کسریٰ و قیصر کی مضبوط مسندوں کو ایک ریلے میں اکھاڑ پھینکا۔ بازنطینی اور رومی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور دنیا کی امامت ان سے چھین کر خود رہنمائی اور پیشوائی کا فریضہ انجام دینے لگی۔

قانون فطرت اپنا کام کرتا رہا۔ مسلمان قوم جوں جوں قائدانہ اوصاف سے محروم ہوتی گئی اور دنیا کے امن و امان کا انتظام اس کے بس میں نہ رہا تو مغربی قومیں اٹھیں۔ انہوں نے عملی جد و جہد اور فکری جد و جہد دونوں میدانوں میں مسلمانوں کو شکست دی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان سے عزت و اقتدار چھین کر ان مجاہد اور مجتہد قوموں کے سپرد کر دیا۔ برطانوی، فرانسیسی، اطالوی، جرمنی اور جاپانی قوموں نے اپنی جد و جہد اور سعی و عمل سے بار بار عروج و کمال سے ہمکنار ہونے کی کوشش کی۔ کسی نے چند سال اور کسی نے پوری پوری صدی اور اس سے بھی زائد دنیا کی امامت کی لیکن یہاں بھی قدرت نے اپنا اصول نہیں بدلا۔ بقدر سعی و عمل سب کو خدا نے عزت و اقتدار دے کر ان کی بداعمالیوں کے نتیجے میں انہیں امامت کے عہدے سے ہٹا دیا۔

اس کے بعد امریکہ اور روس کی جہانبانی کا دور آیا۔ بلاشبہ روس نے بے شمار جانی و مالی قربانیاں دے کر یہ استحقاق حاصل کیا کہ اسے یہ مرتبہ ملے اور امریکہ نے پیہم فکری و عملی میدانوں میں جد و جہد کر کے یہ استعداد پیدا کی کہ عزت کے رتبہ سے سرفراز ہو۔

لیکن خدا کا یہ مستقل ضابطہ ہے تلک الایام نداولہا بین الناس ہم لوگوں کے دن پھیرتے رہتے ہیں۔ ان دونوں سپر پاوروں کو پھر (الٹی میٹم) دے دیا ہے اور قدرت ایک تیسری قوم کو دنیا کی سربراہی سونپنا چاہتی ہے کیونکہ ان دونوں قوموں سے امن و امان کی توقع اٹھ گئی ہے۔

اصلاح کے امکانات کم اور فساد کے خطرات زیادہ ہو گئے ہیں۔
دونوں قوموں کے جرائم بھیانک ہیں۔ ان دونوں نے پوری دنیا کو ظلم و فساد سے بھر دیا ہے۔ خود اُن کا اندرونی معاشرہ ناانصافی، استحصال، خود غرضی، اور بے رحمی اور لوٹ کھسوٹ کا شکار ہے۔ دنیائے انسانیت ان کے مکروہ اعمال سے پناہ مانگنے لگی ہے۔ اب یہ بناؤ سے زیادہ بگاڑ کے کاموں میں مصروف ہیں۔ وہ انسانی اوصاف جن کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے انہیں خلافت عطا کی اور تمکن فی الارض کیا تھا اب رخصت ہو رہی ہے۔ اب وہ انصاف اور مساوات کے علمبردار نہیں بلکہ خود غرض ظالم، قوم پرست اور انسانیت دشمن بن کر ابھر رہے ہیں۔ قدرت نے پہلے بھی کبھی ایسی مجرم قوم کو نہیں بخشا اور آج بھی اس اٹل ضابطے میں کوئی تغیر نہیں آئے گا۔ سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا (الاحزاب ع ٨)

مسلمانوں کی تاریخ سے صرف اندلس کی مثال سامنے رکھیے۔ وہاں ان کو انسانی صفات سے محروم ہو جانے کی بنا پر جس ذلت، نکبت اور بے عزتی سے دوچار ہونا پڑا وہ تاریخ کا دردناک باب بن چکا ہے۔ جب مسلمانوں نے خدا سے باندھے ہوئے عہد بندگی کو توڑا تو حرص و ہوس اور عشق پرستی اور خود غرضی و دنیا طلبی نے انہیں اس قدر گرایا کہ دشمنوں نے ان سے ایک ایک بالشت زمین چھین لی۔ جہاں مسلمانوں کی عظمت کے جھنڈے آٹھ صدیوں تک لہراتے رہے وہاں سے ایک دن قدرت نے انہیں بے خانماں برباد کر کے نکال باہر کیا۔

ہندوستان و پاکستان کی تازہ مثال لیجیے۔ برطانیہ کے برصغیر سے دست بردار ہو جانے کے بعد ہندوؤں کو ہندوستان میں اور مسلمانوں کو پاکستان میں اپنی مرضی اور اپنا اختیار چلانے کا حق مل گیا۔

لیکن دونوں ملکوں کی تاریخ اور دونوں قوموں کے اعمال کارگزاریوں اور حالات کا جائزہ لیں تو آپ اس سے انکار نہ کر سکیں گے کہ ہندو قوم کے اندر انسانی اوصاف زیادہ پائے جاتے ہیں۔ ان کے اندر مقصد سے لگاؤ اور جدوجہد اور قربانیاں دینے کا جذبہ پاکستانیوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ انہوں نے آزاد ہوتے ہی اپنے لیے ایک شاہراہ معین کی اور اس راستے پر اپنی پوری آمادگی اور قربانیوں کے ساتھ چل پڑے لیکن پاکستان ایک طویل عرصے تک پوری قوم تفرق، انتشار اور بے مقصدیت کا شکار رہی۔ اب اللہ کے فضل سے صالح فطرت انسانی کوششوں اور عاجزانہ دعاؤں کی بدولت اسلامی انقلاب کا غلغلہ بلند ہو گیا ہے تاہم اس کی کامیابی وہاں کے بسنے والے کروڑوں مسلمانوں پر منحصر ہے۔

ان تاریخی واقعات کی روشنی میں قوموں کے عروج و زوال کا جو اصول مستنبط ہوتا ہے وہ ٹھیک ٹھیک قرآن کے اصول کے مطابق ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان قوموں کو خلافت فی الارض عطا کرتا ہے جو انسانی صفات سے متصف ہوتی ہیں اور پھر انہیں آزماتا ہے وہ اس قوت سے کس حد تک نائب الخالق ہیں اور دنیا کے انسانی نظام کو کس حد تک بہتر بناتی ہیں۔ اگر اس آزمائش میں وہ کامیاب رہتی ہیں تو وہ خلافت نہیں چھینتا لیکن اگر یہ قومیں انسانی نظام کو برباد کرتی ہیں اور فساد پھیلاتی ہیں انصاف، امن و امان اور انسانی جان و مال کے تحفظ کا خاتمہ کرتی ہیں تو خدا ان سے خلافت چھین لیتا ہے۔

سورہ انعام میں ارشاد ہوا ہے

وھو الذی جعلکم خلائف الارض ورفع بعضکم فوق بعض درجات لیبلوکم فی ما اتاکم ان ربک سریع العقاب وانہ لغفور رحیم ٥

ترجمہ:۔ اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی تاکہ تمہیں اپنی دی ہوئی چیزوں میں آزمائے بیشک تمہارا رب جلد سزا دینے والا ہے اور وہ بیشک معاف فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے

اس بات کو سورہ اعراف میں (۱۲۸-۱۲۹) یوں ادا فرمایا ہے:۔ ان الارض للہ یورثہا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین ۝ قالوا اوذینا من قبل ان تاتینا ومن بعد ما جئتنا قال عسیٰ ربکم ان یہلک عدوکم ویستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون ۝

ترجمہ:۔ بے شک زمین خدا کی ہے۔ اپنے بندوں میں سے جنہیں چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور انجام کار خدا ترسوں کے لیے ہے ان لوگوں نے کہا کہ ہم تمہاری آمد سے قبل اذیت میں ڈالے گئے اور تمہاری آمد کے بعد بھی۔ تو اس نے جواب دیا کہ یقین ہے کہ تیرا رب تمہارے دشمنوں کو ہلاک کرے گا اور تمہیں زمین کی خلافت دے گا۔ پھر دیکھے گا کہ تم کیا عمل کرتے ہو۔

یعنی اللہ قوموں کو خلافت دے کر آزماتا ہے اب اگر وہ ظلم کرتی ہے تو خلافت چھین لی جاتی ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے۔ ولقد اہلکنا القرون من قبلکم لما ظلموا وجاءتہم رسلہم بالبینات وما کانوا لیؤمنوا کذالک نجزی القوم المجرمین ۝ ثم جعلناکم خلائف فی الارض من بعدہم لننظر کیف تعملون ۝

ترجمہ:۔ ہم نے تم سے پہلے قوموں کو ہلاک کر دیا جب انہوں نے ظلم کیا اور ہمارے رسولوں کے کھلی علامات پیش کرنے کے باوجود ایمان نہیں لاتے۔ ہم ایسا ہی مجرم قوم کو بدلہ دیتے ہیں۔ پھر ہم نے تمہیں ان کے بعد زمین کا خلیفہ بنایا تاکہ آزمائیں کہ تم کیا کرتے ہو۔

اور ایک دوسری جگہ فرمایا:۔

بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کو پستی و زوال سے دوچار نہیں کرتا جب تک کہ وہ خود اپنے قیمتی اوصاف سے محروم نہ ہو جائے۔

اس آیت سے یہ اصول واضح طور سے نکلتا ہے کہ کوئی بھی قوم زوال سے دوچار ہوتی ہے اس کی وجہ دراصل یہ ہوتی ہے کہ وہ ان انسانی اوصاف سے عاری ہو جاتی ہے جن کی بنا پر اللہ تعالیٰ اسے دوسری قوموں کے مقابلے میں ترجیح دے کر خلافت کے منصب پر فائز کرتا ہے۔

قرآن مجید نے اس اٹل ضابطہ کو یوں بیان کیا ہے
وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم ولیمکنن لہم دینہم الذی ارتضیٰ لہم ولیبدلنہم من بعد خوفہم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا ومن کفر بعد ذالک فاولئک ہم الفاسقون ۝ (نور)

البتہ قدرت کا ایک اٹل ضابطہ یہ بھی ہے کہ اگر دنیا کی قوموں میں کوئی ہدایت یافتہ گروہ انسانی اوصاف سے آراستہ ہوتا ہے تو اسے بقیہ ان تمام معاصر قوموں پر فوقیت دی جاتی ہے جو اسی ہدایت یافتہ گروہ کی طرح کے انسانی اوصاف سے متصف ہوتی ہیں۔ یہ ہدایت یافتہ گروہ پر خدا کا خصوصی انعام ہوتا ہے۔ جو خدا کے عہد بندگی کو نبھانے کے نتیجے میں اسے حاصل ہوتا ہے لیکن اگر وہ ہدایت یافتہ گروہ کسی مرحلہ پر عہد بندگی کو توڑ دے تو وہ عام قوموں کی صف میں جا کھڑا ہوتا ہے۔ اور پھر ترجیح اسے دی جاتی ہے جو انسانی اوصاف میں افضل اور بلند تر ہو۔

وہ انسانی اوصاف جو عام قوموں کو امامت کے منصب کا اہل بناتے ہیں علمی و فکری اجتہاد، شجاعت

جہاد عزم و حوصلہ، مقصد سے لگاؤ، ایثار و قربانی، اجتماعی انصاف، امن و امان اور مساوات بین الاقوامی کے جذبے کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔

اب ہم امت مسلمہ کی موجودہ حالت پر غور کریں اور دوسری موجود اقوام پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ کس پہلو سے ہم ان اوصاف میں ان سے کمتر اور وہ کن باتوں میں ہم سے برتر ہیں۔ پھر خدا کے عہد صدق کو وفا کر کے ہم خدا کے خصوصی انعام و اکرام کے بھی مستحق ہو سکتے ہیں۔

علامہ اقبال نے کہا ہے :۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اس شعر میں علامہ نے امامت کی اہلیت کیلئے تین اوصاف کو بنیادی اہمیت دی ہے۔ ایک اور شعر نے ان تمام اوصاف کو سمیٹ لیا ہے جو امامت ارضی کے لئے انتہائی ناگزیر ہیں

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

اگر ہم پھر دنیا کی امامت چاہتے ہیں، اگر ہم پھر اسلامی انقلاب کی پکار بلند کر رہے ہیں تو ہمیں صداقت، عدالت اور شجاعت کا سبق اچھی طرح پڑھنا چاہیئے اگر قوموں کے اس ... میں تنازع للبقا کے اس میدان میں ہم کامیاب اور کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں یقین محکم، عمل پیہم اور محبت فاتح عالم کی شمشیروں سے جہاد کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وہ مجاہدوں کو راستہ دکھائے گا اور وہ ان کے ساتھ ہے

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین (عنکبوت آخری آیت)

وہ ہماری راہ میں جہاد کریں گے ہم ان کی رہنمائی کریں گے اللہ جل شانہ کو راستہ اختیار کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

______ آئیے ہم اس یقین کے ساتھ آگے بڑھیں کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اسلامی انقلاب کی راہ میں حائل نہیں ہو سکیگی

وعد اللہ الذین ......

ترجمہ :۔ اللہ تعالیٰ نے [illegible] وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں اپنی خلافت بخشے گا۔ جس طرح ان سے پہلے کی امتوں کو بخشا تھا اور ان کے لئے اپنے پسندیدہ دین کو قوت اور غلبہ بخشے گا۔ اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا کہ یہ میری ہی اطاعت و عبادت کرتے ہیں۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ اور جو لوگ اس کے بعد بھی کفر کریں ان کا انجام عہد شکن اور غدار لوگوں کا انجام ہے کہ یہی لوگ فاسق ہیں۔

بقیہ صفحہ ۳۳ کا (حلقہ یاران)

پہلی تحریر سہ روزہ دعوت دہلی کو بھیجی تھی جو تحریر شائع ہوئی اور مسلم صاحب مدیر دعوت نے خود حوصلہ افزائی کا خط لکھا اور مزید مضمون کی فرمائش کی۔ آپ یقین کیجئے وہ حوصلہ افزا جملے میرے حق میں Turning Point ثابت ہوئے۔ آپ بھی ایسا ہی کریں۔

لفظوں اور جملوں کی کثرت ذوق سلیم پر گراں گذری محمد قاسم ذکی کا مضمون "حالات حاضرہ ....." پسند آیا۔ انداز بیان میں روانی اور جملوں میں چستی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

زمانہ تیزی سے تسہیل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ آپ کم سے کم جامعۃ الفلاح کے متعلقین اور فارغین کو آسان زبان میں اظہار کی دعوت دیں۔ آپ اہر ہا لک کر دیکھیں جو زبان آپ لکھتے اور لکھاتے ہیں وہ نئی دنیا سے ہم آہنگ نہیں ہے۔

شخصیات نمبر کی تلافی کے لئے ایک مشورہ۔ ہر شمارہ میں شخصیات کا ایک مضمون دوبارہ شائع کر دیں۔ کوئی خدمت!

والسلام

خادم اسرار احمد۔

ادارہ تصنیف و تحقیق اسلامی پان والی کوٹھی دودھپور علی گڑھ ●●

ورد سعیدی

عمر گذری سفر میں بیٹھے ہیں

شہرِ وحشت اثر میں بیٹھے ہیں
دل کے اجڑے نگر میں بیٹھے ہیں

لمحہ لمحہ ہے پاؤں کی زنجیر
قیدِ شام و سحر میں بیٹھے ہیں

وقت جادہ ہے وقت منزل ہے
وقت کی رہگذر میں بیٹھے ہیں

گردشِ آسماں ہے گھر اپنا
عمر گذری سفر میں بیٹھے ہیں

کتنے ویران شہروں میں بیٹھے
سایۂ بام و در میں بیٹھے ہیں

چاک کر کے بساطِ لالہ و گل
دامنِ دشت و در میں بیٹھے ہیں

توڑ کر پھر طلسمِ ظلمتِ شب
انتظارِ سحر میں بیٹھے ہیں

منزلوں کے چراغ دل میں لئے
ظلمتِ رہگذر میں بیٹھے ہیں

یوں بھی تقدیر میں رہائی تھی!
حسرتِ بال و پر میں بیٹھے ہیں

کب آئی یقینِ منزل ہے
وہم و فکر و نظر میں بیٹھے ہیں

خندۂ گل پہ درد یاد آیا
کتنے خنجر جگر میں بیٹھے ہیں

قسط اول
مرتبہ: عبدالمجید قریشی

علی گڑھ کا نائی بوائے

ایک شوخ وشنگ طالب علم کی دلچسپ شرارتوں کا تذکرہ۔ تین معروف ادیبوں کی زبانی

محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علی گڑھ کے مشہور طالب علم مسعود ٹامی کا نام برصغیر پاک و ہند کے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اس لحاظ سے ہمیشہ اپنی اہمیت منواتا رہے گا کہ یہ ادارے گزشتہ ایک صدی میں ان جیسی آن بان کا ایک بھی شوخ اور شرارت پسند طالب علم پیدا کرنے سے قاصر رہے ہیں۔

مسعود ٹامی کا اصل نام مسعود حسین کمبوہ تھا۔ ان کے زمانہ طالب علمی میں علی گڑھ کے کسی زندہ دل نے ٹامی کا ایسا خطاب دیا جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کے ساتھ چپک کر رہ گیا۔ ویسے یہ نام ان کے لیے موزوں بھی بہت تھا۔ ٹامی انگریز گوروں کو کہتے ہیں اور مسعود ان ہی کی طرح خوب لمبے تڑنگے اور سرخ و سفید تھے۔ پھر وہ انگریزی بھی گوروں کے انداز میں بولنے کے عادی تھے۔

مسعود ٹامی کا تعلق یو۔پی کے مشہور کمبوہ خاندان سے تھا۔ جس کے ایک فرد نواب وقار الملک بھی تھے۔

مسعود ٹامی علی گڑھ کالج میں موجودہ صدی کے بالکل شروع میں داخل ہوئے اور اپنی شوخ حرکات اور منفرد شرارتوں کے سبب سے مدتوں اس کالج کے طالب علم رہے۔ انھوں نے تعلیم اور کھیلوں کے میدان میں نہ سہی، شوخی اور زندہ دلی کے میدان میں اپنی قابلیت کا لوہا ضرور منوایا۔ اور ایسا کہ اس میدان میں ان کا کوئی مثیل اور رقیب نہ تھا۔

علی گڑھ کالج میں مسعود ٹامی کا زمانہ طالب علمی کن کن ہنگامہ خیزیوں میں گزرا اور کیسے کیسے معرکے انہوں نے اس درسگاہ کی فضاؤں میں سر کیے۔ ان پر جناب پرویز عنایت، شیخ عبدالرحیم علیگ اور خان بہادر حکیم احمد شجاع نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ہم ان ہی حضرات کی تحریر کے کچھ حصے پیش کر رہے ہیں۔

★ ★ ★ ★

جناب پرویز عنایت لکھتے ہیں:

مسلم یونیورسٹی کے میوزیم میں ایک الماری نما فریم رکھا ہوا ہے جس میں ایک بڑا سا اوور کوٹ لٹک رہا ہے جو بلا مبالغہ عام ناپ کے چار اوور کوٹوں کے برابر ہے۔ یہ کوٹ مسعود ٹامی مرحوم کی یادگار ہے۔ اس کے اندر دونوں جانب اتنی بڑی جیبیں ہیں کہ ان میں اوسط قد کا آدمی بہ آسانی سما جائے۔ اس کوٹ سے مسعود نے بڑے بڑے کام لیے۔ وہ اس کوٹ کو اس خوبی سے سمیٹ کر پہنتے تھے کہ ان پر بالکل ٹھیک آتا تھا۔

★ ایک بار مسعود یہ کوٹ پہن کر فرسٹ کلاس میں سفر کر رہے تھے۔ اس ڈبے میں اس وقت صرف ایک انگریز مسافر

تھا۔ وہ قسمت کا مارا اُٹھ کر بیت الخلاء میں گیا اور مسعود کو ایک دم شرارت سوجھی۔ جھٹ اُٹھ کر اپنا سوٹ اتارا اور اسے تہہ کرنے کے بعد اور کوٹ کی جیبوں میں رکھ لیا۔ پھر اس انگریز کے سوٹ کیس سے ایک سوٹ نکال کر پہنا اور آرام سے سگریٹ پینے لگے۔ جب انگریز باہر آیا تو مسعود کے جسم پر اپنا سوٹ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ آخر جھجکتے جھجکتے پوچھ ہی بیٹھا کہ آپ نے یہ سوٹ کہاں سے سلوایا۔

مسعود نے فوراً جواب دیا۔

گزشتہ برس لندن گیا تھا۔ وہاں فلاں درزی کی بہت تعریف سنی تھی اسی سے سلوایا ہے۔

انگریز بے چارہ حیران تھا کہ اگر میرا سوٹ یہ ہے تو پھر ان حضرت کا سوٹ کہاں گیا، کیونکہ مسعود کے پاس کوئی سامان نہیں تھا۔ چار و ناچار اپنا سا منہ لے کر چپکا ہو رہا۔

مسعود چوتھی بار میٹرک کا امتحان دے رہے تھے کمرہ امتحان میں مکمل سکون تھا۔ کلاک نے نو بجائے لیکن دوسرے ہی لمحے ٹن ٹن، دس بجنے کی آواز آئی۔ سب نے سر اٹھا کر دیکھا کلاک ٹھیک چل رہا تھا۔ ایک گھنٹہ بعد پھر یہی واقعہ ہوا کمرے کی کلاک نے دس بجائے اور چند سیکنڈ بعد گیارہ بجا دیئے۔ پیچھے بیٹھے کسی کو خیال آیا کہ مسعود صاحب بھی تشریف رکھتے ہیں اور وہی ایسی شرارتیں کر سکتے ہیں۔ چنانچہ تلاشی لی گئی تو اور کوٹ کے نیچے پیٹھ سے بندھا ہوا ٹیبل کلاک برآمد ہوا جسے مسعود نے کچھ اپنے حساب سے آگے کر رکھا تھا کہ وہ صحیح وقت کا گھنٹہ بجنے کے چند لمحے بعد ایک گھنٹہ آگے کا اعلان کرتا تھا۔ یہ ذہنی اپچ مسعود کی بجا حصہ تھی۔ اور ان کی صلاحیتوں کا خیال کرتے ہوئے انہیں معاف کر دیا گیا

* مسعود صاحب جب میٹرک میں پڑھتے تھے ان کے ماسٹر صاحب نے ان کی جماعت کو ایک مضمون لکھنے کے لیے کہا۔ مسعود اپنا مضمون لکھ کر ماسٹر صاحب کو دکھانے اُن کے پاس پہنچے۔ تو اسے پڑھ کر مارے غصے کے ماسٹر صاحب کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ مسعود کو تو آتا جاتا تو کچھ تھا نہیں۔ انہوں نے اپنے مضمون کے ہر لفظ پر ضرورت بے ضرورت نقطے ڈال دیئے تھے۔ ماسٹر صاحب نے ڈانٹا، تو نہایت انکساری سے معافی مانگ لی اور نئے سرے سے مضمون لکھنے بیٹھ گئے۔ اس بار کسی لفظ پر کوئی نقطہ ہی نہیں تھا۔ ماسٹر صاحب پھر خفا ہوئے اور کمرے سے نکل جانے کا حکم دیا۔ لیکن مسعود نے اس بھولے پن سے معافی مانگی کہ ماسٹر صاحب کو رحم آگیا اور وہ تیسری بار مضمون لکھنے لگے اس مرتبہ کسی لفظ پر نقطہ نہ ڈالا لیکن بے شمار نقطے ایک کونے میں ڈال دیئے اور لکھا کہ جناب! نقطے ڈالوں، تو آپ ناخوش اور نہ ڈالوں تب بھی ناراض۔ اس لیے جہاں بھی نقطوں کی ضرورت محسوس ہو کونے والے ڈھیر سے اٹھا کر لگا لیں!

* مسعود مرحوم غضب کے حاضر جواب تھے۔ ایک بار وہ چند دوستوں کے ساتھ سفر کر رہے تھے کہ اچانک آنکھ لگ گئی۔ یاروں کو شرارت سوجھی اور ان کا ایک جوتا کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ اٹھے تو جوتا غائب پا کر دوستوں سے دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ تو سیر کرنے گیا ہے۔ اس جواب پر انہوں نے ناپسندیدگی کا اظہار نہ کیا بلکہ زوردار قہقہے سے اس شرارت کی داد دی۔ تھوڑی دیر بعد جب تمام دوست سو گئے، تو انہوں نے ان سب کے جوتوں کو اکٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دیئے۔ دوست سو کر اٹھے تو دیکھا کہ سب جوتے غائب ہیں۔ مسعود پر شبہ ہوا۔ پوچھا۔ تو کہنے لگے کہ میرے جوتے کو سیر کرتے کرتے دیر ہو گئی تھی تمہارے جوتے اسے بلانے گئے ہیں۔

* * * *

شیخ عبدالرحیم علیگ تحریر فرماتے ہیں:

★ جب میں علی گڑھ کالج میں داخل ہوا تو مجھے معلوم ہوا کہ مسعود اپنے مخصوص کارناموں کی وجہ سے اب سے تیسری مرتبہ اسکول سے خارج ہوئے ہیں اور آج کل آگرے کے کسی ہائی اسکول کو سرفراز فرما رہے ہیں۔ مگر علی گڑھ کا در تو ان پر ہمیشہ کے لیے بند نہ ہوا تھا۔ میرے زمانۂ قیام میں اکثر وہاں آیا کیے اور جب آتے اور طلبہ کی طرف سے ہاتھوں ہاتھ لیے جاتے۔ احباب کی سوئی محفلیں جاگ اٹھتیں اور بورڈنگ ہاؤس میں ہنگامہ ہاؤ ہو زندہ ہو جاتا۔

انہوں نے الٰہ آباد یونیورسٹی کے امتحان میٹرک کے قلعہ پر کوئی چھ دفعہ حملہ کیا۔ لیکن ممتحن صاحبان کی بد ذوقی اور قدر ناشناسی کی توپوں نے ہمیشہ ان کو بھاری نقصانات پہونچا کر پسپا کر دیا۔

امتحان میٹرک میں ناکامی گردش چھ سال تک سائے کی طرح ان کے ساتھ چپکی رہی۔ ان کے ہم جماعت اس عرصے میں ایم۔ اے کر چکے تھے۔ مگر وہ میٹرک کی جماعت سے جو پیمانِ وفا باندھ چکے تھے۔ اس کی وفاداری اور استواری میں کبھی فرق نہ آنے دیا۔ اسی لئے ان کے کسی استاد نے جب انہیں ایک دوست سے متعارف کرایا تو یہ کہا:

"مسٹر مسعود سے ملئے! یہ ہمارے کالج کے معزز انڈر گریجوایٹ ہیں۔"

★ مسعود ابھی نویں جماعت میں پڑھتے تھے۔ انہوں نے کہیں سے سن پایا کہ کالج کے نئے نامزد پرنسپل مسٹر آر۔ جی۔ بولڈ فلاں تاریخ کو علی گڑھ پہونچ رہے ہیں چنانچہ وہ رخصت لے کر بھوپال پہونچ گئے۔ جس گاڑی سے مسٹر آر جی بولڈ آ رہے تھے۔ بھوپال کے اسٹیشن پر اس کے پہونچنے کا وقت معلوم کیا اور گاڑی کے آنے سے کچھ عرصہ پہلے وہاں پہونچ گئے۔ گاڑی کی آمد پر وہ فرسٹ کلاس میں داخل ہوئے۔ اور دریافت کیا کہ مسٹر آر جی بولڈ کون صاحب ہیں جو کیمبرج سے علیگڑھ کالج کے پرنسپل مقرر ہو کر وہاں جا رہے ہیں۔

مسٹر آر جی بولڈ نے کہا:

"جس شخص کو تم پوچھ رہے ہو وہ میں ہی ہوں۔"

اس پر مسعود نے ان کو بتایا کہ میں علی گڑھ کالج کے فوجی دستے کا کمانڈر ہوں اور مجھے کالج کے بورڈ ٹرسٹیاں کی جانب سے خاص طور پر آپ کے استقبال کیلئے بھیجا گیا ہے۔"

آر۔ جی بولڈ صاحب یہ سن کر بڑے خوش ہوئے اور مسعود ان کے ہمسفر ہو گئے۔ راستہ بھر ابھی مسعود کالج کے نئے پرنسپل صاحب کی خاطر مدارات کرتے رہے جب نامزد پرنسپل علی گڑھ کے اسٹیشن پر پہونچے، تو نواب محسن الملک، نواب فیاض علی خاں، کالج کے معالی ٹرسٹی اور یورپین اسٹاف کے ممبران کے استقبال کے لئے وہاں موجود تھے۔ مسعود خود ڈبے سے باہر نکلے اور حیرت انگیز جرأت سے مسٹر آر جی بولڈ صاحب کا تعارف تمام اصحاب سے کرایا۔

یہ ہیں نواب ممتاز الدولہ مسٹر فیاض علی خاں ٹرسٹیان کے پریزیڈنٹ، یہ ہیں حضرت آفتاب احمد خاں ٹرسٹی اور یہ ہیں فلاں فلاں حضرات ممبران اسٹاف۔"

اور پھر ان حضرات سے مخاطب ہو کر کہا:

یہ ہیں آپ کے نئے پرنسپل مسٹر آر جی بولڈ اور پھر یہ کہہ کر مسعود اسٹیشن سے باہر نکل ایک کرائے کے تانگے میں بیٹھ یہ جا وہ جا۔ بورڈنگ ہاؤس میں پہونچ گئے۔

حاضرین کالج عجب گومگو کے عالم میں تھے کہ نویں جماعت کا یہ طالب علم کہاں سے ٹپک پڑا! پھر بھی وہ سب اس کی جرأت آفرینی کی داد اپنے دلوں میں دے رہے تھے۔

جس طرح اُس زمانے میں سرکاری ڈاک کے لفافوں پر ON MAJESTY'S SERVICE ONLY لکھا ہوتا تھا، اسی طرح نویں جماعت کے اس طالب علم نے اپنی اسٹیشنری پر جو بڑھیا قسم کی ہوتی ON MASOOD'S SERVICE ONLY چھپوا رکھا رکھا۔ یہ اُپج آج تک شاید ہی کسی کو سوجھی ہو۔

★ اُس زمانہ میں مغرب کی نماز کالج کی مسجد میں پڑھنا سب کے لئے لازمی تھا ایک دن شام کو، جب سب لوگ مغرب کی نماز کے لئے مسجد جا چکے تھے، مسعود صاحب نے پکی بیرک کے احاطے میں بچھی تین چار پائیوں سے چند ایک تنکے اور دو ایک رضائیاں بغل میں دبائیں اور قریب ہی پیپل کے درخت پر رکھ کر ان پر دیا سلائی دکھادی، پھر لپک کر نماز میں شامل ہو گئے۔ نماز ختم ہوئی تو لڑکے کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے پکی بیرک کے اندر ایک سرسبز و شاداب درخت پر آگ بھڑک رہی ہے۔ سب حیران کہ یہ کیا اسرار ہے۔ اتنے میں مسعود بول پڑے:

"دیکھئے! سر سید جنات کے وجود کے قائل نہ تھے، مگر جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے، آخر جنات نے اپنے وجود کا ثبوت فراہم کر دیا!"

یہ سن کر طلبا حیران و پریشان ہو گئے، لیکن دوسرے ہی دن پتہ چل گیا کہ آگ لگانے والا جن سوائے مسعود کے اور کوئی نہ تھا۔

★ پکی بیرک کے احاطے کے مشرقی گوشے میں پختہ مخروطی شکل کی ٹٹیاں بنی ہوئی تھیں۔ ایک موسم گرما کی صبح کو مسعود کو کیا سوجھی کہ ہر ایک ٹٹی کے اندر سے کنڈی لگا دی اور عقب کے گول کھلے روشندان سے باہر نکل گئے۔ اب بیرک میں رہنے والے طلبا جو لوٹے ہاتھوں میں لئے ہوئے ٹٹیوں کے سامنے قطار باندھے بے چینی سے انتظار کر رہے کہ اندر والے حضرات فارغ ہو کر باہر نکلیں، تو یہ اندر داخل ہوں مگر اندر کوئی موجود ہوتا تو باہر نکلے ...... جب کافی وقت گذر گیا اور کالج میں حاضری کی گھنٹی بجنا شروع ہوئی تو سب لوگ بد حواس ہونے لگے۔ ایک نے چھت کے عقبی روشندان سے جھانک کر دیکھا تو پتہ چلا کہ ہر ایک ٹٹی میں داخلہ کیوں کر بند کیا گیا ہے، چنانچہ دروازے توڑے گئے اور بعد ازاں معلوم ہوا کہ اس "تصنیف لطیف" کے مصنف بھی مسعود صاحب ہی تھے۔

★ مسعود کے متعلق ریلوے والوں کو ہمیشہ یہ بدگمانی رہتی تھی کہ وہ میرٹھ سے علی گڈھ تک کا سفر اگرچہ فرسٹ یا سکنڈ کلاس میں کرتے ہیں۔ مگر ٹکٹ خریدنے کا تکلف گوارا نہیں کرتے۔ ایک مرتبہ ریلوے والوں نے میرٹھ سے علی گڈھ تک کے تمام عملے کو بذریعہ تار آگاہ کر دیا کہ فلاں حلیے کے ایک صاحب فلاں نمبر کی گاڑی سے فرسٹ کلاس میں سفر کر رہے ہیں، ان کا ٹکٹ خاص اہتمام اور کوشش سے چیک کیا جائے۔

مسعود کو بھی کسی طرح اس اہتمام کا پتہ چل گیا اور انہوں نے اسٹیشن سے ٹکٹ خرید کر اسے اپنے فل بوٹ میں پاؤں کے نیچے دبا کر رکھ لیا۔

اگلے اسٹیشن پر ٹکٹ چیکر آیا اور اس نے اکڑ کر مسعود سے ٹکٹ دکھانے کے لئے کہا مسعود نے اپنے سر کو جھٹکا دے کر بوٹ کے تسمے کھولنا شروع کر دیئے۔ ٹکٹ چیکر سمجھا کہ یہ کوئی بدمست گورا ہے اور ابھی بوٹ سے میری تواضع شروع کر دے گا۔ وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ اور اس نے اگلے اسٹیشن پر تار دے کر عملے کو متنبہ کر دیا کہ فلاں ڈبے کے مسافر کا ٹکٹ چیک کرتے ہوئے ریلوے پولیس کے چند ملازمین کو بھی ساتھ رکھا جائے۔

مسعود جب علی گڈھ کے اسٹیشن پر پہنچے تو بھاری بھرکم یورپین ماسٹر پولیس کے ایک مختصر دستے کو لے کر مسعود کے استقبال کے لئے خود موجود تھا۔ اس

نے کسی قدر ہمت سے کام لے کر مسعود سے مانگا۔ مسعود صاحب کو ایک خوفناک جھٹکا دے کر بوٹ کے تسمے کھولنے لگے۔ اسٹیشن ماسٹر نے حیران ہو کر پوچھا۔

"جناب یہ کون سی جگہ ہے ٹکٹ رکھنے کی ؟"

"تمہیں ٹکٹ سے مطلب ہے یا ٹکٹ رکھنے کی جگہ سے ؟ میرے ٹکٹ اکثر کھو جاتا تھا۔ میں نے اسے یہاں رکھ لیا تم لوگوں سے نمٹنے کے لئے یہی مقام مناسب ہے۔

★ قسام ازل نے مسعود کو اپنے خزانۂ قدرت سے ایک عظیم الشان عطیہ یہ بھی دیا تھا کہ وہ آدھ گھنٹے تک ایسی انگریزی نہایت روانی کے ساتھ برجستہ تقریر کر سکتے تھے جس کا لب و لہجہ اور تلفظ بے عیب اور خالص انگریزی کا سا ہوتا مگر اس کے اندر اصل انگریزی کا ایک لفظ بھی نہ ہوتا۔ کم از کم کچھ دیر تک اچھے خاصے انگریزی داں بھی وثوق سے نہ کہہ سکتے کہ جس زبان میں مسعود بول رہے ہیں وہ انگریزی نہیں ہے۔ یہی شان وہ عربی تقریر میں بھی قائم رکھ سکتے تھے۔ معلوم ہوتا کوئی خالص عرب ٹکسالی عربی بول رہا ہے۔

★ مسعود علی گڑھ سے خارج البلد ہو کر آگرہ کو گورنمنٹ ہائی اسکول میں تھے کہ ہولی کا تہوار آ گیا۔ مسعود اتفاق سے ایک نیا سوٹ زیب تن کئے کسی کام سے شہر گئے۔ وہاں ان کے ہم سبق چند دوست ہولی کھیلتے پھر رہے تھے۔ انھوں نے مسعود کو بھی گھیر لیا۔ ہر چند مسعود نے ان کی منت سماجت کی کہ اس پر رنگ پھینک کر اس کا نیا سوٹ برباد نہ کیا جائے۔ مگر اس طوفان بدتمیزی میں کون ان کی سنتا۔ دوستوں نے رنگ کی پچکاریاں بھر بھر کر ان کے نئے سوٹ کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔

مسعود نے تین چار دن سے مختلف رنگوں میں چند لیموں چیزیں ملا کر ایک معجون مرکب تیار کی اور اپنی جدت طرازی سے اس طرح ان سے انتقام لیا کہ وہ کئی دن تک باہر نکلنے کے قابل نہ رہے۔

اعلیٰ تعلیم کے حصول میں ناکام رہنے کے باوجود مسعود اپنی خاندانی وجاہت کے بل بوتے پر نائب تحصیلداری کے امیدوار ہو گئے۔ آگرہ ڈویژن کے کمشنر نے کوئی ڈیڑھ درجن امیدواروں کو انٹرویو کے لئے طلب کیا۔ مسعود بھی ان میں شامل تھے کمشنر ہر امیدوار سے زبانی گفتگو کرتے اور جن کو وہ پاس کرتے ان کو دوسری قطار میں کھڑا کر دیتے۔ اس طرح چھ سات امیدوار منظور کر کے کمشنر نے ان کو دوسری طرف کچھ فاصلے پر کھڑا کر دیا۔ مسعود کی باری ابھی نہیں آئی تھی۔ اتنے میں کمشنر کو کسی ذاتی کام سے اندر کمرے میں جانا پڑا اور کمشنر کی مختصر غیر حاضری میں مسعود جس لائن میں کھڑے تھے، نہایت سکون خاطر سے اس سے نکل کر ان لوگوں کے درمیان جا کھڑے ہوئے جو انٹرویو میں پاس ہو چکے تھے۔ کمشنر جب واپس آئے تو انھوں نے دیکھا کہ پاس ہونے والوں کی تعداد میں ایک کا خود بخود اضافہ ہو گیا ہے۔ وہ فوراً بھانپ گئے کہ جس نوجوان نے یہ کارستانی کی ہے وہ غالباً خود بھی ایک زندہ دل افسر تھے ہنس کر مسعود کو مخاطب کیا اور کہنے لگے۔

WHO HAS THE GUTS AND PRESENCE OF MIND LIKE YOU DESERVES TO BE SELECTED FOR THIS JOB

چنانچہ اس طرح مسعود نے اپنے آپ کو تحصیلدار منتخب کرا لیا۔ (باقی آئندہ)

بقیہ جامعہ کے لیل و نہار

کی تعطیل ہو جائے گی۔ اس موقع پر طلبہ کو بھی چاہئے کہ وہ دوسرے غیر ضروری مشاغل کو ترک کر کے مکمل انہماک کے ساتھ اپنے امتحان کی تیاری میں مصروف ہو جائیں تاکہ بوقت امتحان کف افسوس نہ ملنا پڑے اور امتحان میں اچھے نمبرات حاصل کر کے اپنے آپ کو نمونہ بنائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو اس کی توفیق بخشے۔ (آمین)

★★

دنیا کی نئی فوجی اہمیت کا مرکز۔ خلیج

تیل کی حفاظت یورپ کی زندگی کی ضمانت

از:- جان فرے

قاہرہ! ابھی حال میں مغربی جرمنی کے وزیر خارجہ قاہرہ میں یہ بیان دیتے ہوئے کہا تھا کہ ہم یورپین یہ جانتے ہیں کہ وسط ایشیا کی حفاظت کا مطلب ہماری حفاظت بھی ہے۔ اس سے پہلے اٹلی کے وزیر دفاع سے پوچھا گیا تھا کہ یورپی ممالک قاہرہ سے فوجی سہولتوں کا مطالبہ کریں گے۔ انھوں نے جواب دیا کہ ناٹو ممالک نے یہ طے کیا ہے کہ وہ گریس سے ناروے اور پھر ترکی تک کی کارروائی میں سب یکجا ہو کے شریک رہیں گے۔ لیکن اگر سوویت یونین خلیج کے علاقے میں تیل کی سپلائی کو توڑنے کی کوشش کرے گا تو کیا یورپ بچاؤ کی کارروائی نہیں کرے گا۔ ناٹو ممالک خلیج کی حفاظت کے بارے میں غور کر رہی ہیں۔

لندن کے اکونامسٹ نے ہم خصوصی اتحاد کے ضوابط کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ سب ہی اس بات پر متفق ہیں کہ وسط مشرق میں مغربی تیل مراکز کا زمین اور سمندر میں حفاظت بے حد ضروری ہے اور اس میں سب سے زیادہ ذمہ داری امریکہ کی ہوگی۔

سوویت روس فی الحال مغربی یورپ پر حملہ نہیں کرنا چاہتا ہے لیکن حقیقتاً وہ جنگ کی تیاری میں لگا ہے وہ چین کی سرزمین اور سمندر میں ناکہ بندی کرنا چاہتا ہے۔ اس کے علاوہ خلیج کے ممالک کو گھیرے میں لینے کے پروگرام میں مصر بھی شامل ہے۔ جو وسط مشرق کی ایک اہم طاقت ہے۔ برٹش اندازوں کے مطابق اسکو سوویت یونین کے ایتھوپیا اور جنوبی یمن کی فوجوں کے لیے سوکوترا جزیرہ میں ایک اڈہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ بحر ہند میں بیڑہ ہے وہ روس کے تینوں جزیروں کو حفاظتی بیڑہ فراہم کریگا۔

خلیج فارس اور خلیج عرب اب ایک متحدہ حفاظتی کمانڈ کے حق میں ہیں۔ ایک مصری نامہ نگار نے لکھا ہے کہ اگر سوویت یونین ان پر حملہ آور ہو وہ اکیلے اپنی حفاظت نہیں کر سکتے۔ مغربی ممالک اور مصر کے مدد خلیج کے ممالک کی حفاظت کا واحد حل ہے۔

برطانیہ کے وزیر اعظم مارگریٹ نے واشنگٹن کے دورے کے موقع پر کہا تھا کہ برطانیہ کھاڑی کے ممالک کی حفاظت کے لئے فکر مند ہے اور وہ اس معاملے میں امریکہ سے تعاون کریگا۔

امریکہ نے ڈیگو گارشیا میں ایک اڈہ بنا لیا ہے۔ امریکہ خلیج کی حفاظت اور تیل کنویں کی حفاظت میں درست ہے۔ مغربی یورپ اور جاپان خلیج کے تیل کے لئے مکمل منحصر ہیں۔ امریکہ تو صرف ۲۰ فیصد خلیج کا تیل درآمد کرتا ہے۔ اس طرح یورپ کے لئے تیل اس کی زندگی کا سوال ہے

آسمان پر پیلے بادل - افغانستان میں موت کے سائے

(اقوام متحدہ کے خصوصی نامہ نگار جانِ فرسے کے قلم سے)

افغانستان کی سرحدوں کا دورہ کر کے آنے کے بعد روز نامے کے ایڈیٹر البرٹ ہرک مان نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ کیا روسی گیس سے افغانستان کو بھر دیا گیا ہے۔ کالم کے نامہ نگار نے ۲۰۰ افغان پناہ گزینوں سے بات کی سب نے یہی کہا کہ روسیوں نے ان پر گیس کا حملہ کیا۔ ۲۲ افراد نے تو متعین مقام، دن تاریخ بتا دی۔ ایک پناہ گزین نے بتایا کہ جیسے پہاڑی چٹانوں کے سرے سے پتھر کے بڑے بڑے ٹکڑے روسی ٹینکوں پر ڈھکیل دیے۔ لیکن ہیلی کاپٹروں کی آواز سنائی دی۔ ہم چٹانوں میں بھاگے۔ اچانک اسی وقت پورے آسمان پر پیلے بادل چھا گئے اور وہ ہمارے ٹھکانوں پر خیمہ زن آ گئے۔ ہماری آنکھوں اور گلے میں جلن ہونے لگی اور ہم جان بچا کر بھاگے

۱۳ر دسمبر ۱۹۸۰ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں رسائنک جنگ کے الزامات کی جانچ کے لئے ایک کمیشن مقرر کرنے کی تجویز پیش ہوئی تھی۔ لیکن روس، کیوبا ویت نام وغیرہ نے اس کی مخالفت کی۔ ایک ایشائی نمائندہ نے بہت اچھی بات کہی کہ روس الزام سے انکار کر رہے ہیں تو انھیں ایسی جانچ بخوشی قبول کرنا چاہیے

پیرس کے اخبار نے "پوائنٹ" کے عرصہ میں خبر چھاپی تھی کہ ایک خاص روسی رسائنک جنگ کا ماہر نے کابل کا دورہ کیا ہے۔ اس نے یہ بھی چھاپا ہو کہ روس کے علاوہ کیوبا، ویتنام اور بلغاریہ کی فوجیں بھی لڑائی میں شامل ہیں۔ افغانستان کی سرحد پر افغان مجاہدین کی ۴۰ جماعتیں بھی ہیں۔

ایک ڈچ رپورٹر نے کئی ہفتوں تک باغیوں کے درمیان رہنے کے بعد جو تصویریں چھاپی ہیں ان میں نیپام بم سے گھائل لوگوں کی تصویریں قابل ذکر ہیں

سابق امریکی دفاعی نمائندے نے افغانستان کے دیہاتی علاقوں میں گیس کے استعمال کو درست بتایا ہے۔ نیویارک ٹائمس کے ایک فوجی نے یوں کہا ہے کہ ہم تو ابھی رسائنک جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔ اور روس والے باقاعدہ اس کا استعمال کر رہے ہیں۔

اس سلسلے میں سب سے خطرناک بیان ایڈنبرگ یونیورسٹی میں بولتے ہوئے ایک روسی ماہر نے دیا۔ اس نے کہا کہ ۵۰ فیصد ہتھیار جو ہم نے وار سائیکٹ کے تحت تیار کیا ہے وہ رسائنک جنگ کے ہیں۔ اس سے ہم گھنٹہ کے اندر انسانی دنیا کا صفایا ہو سکتا ہے۔

بقیہ دنیا کی نئی فوجی اہمیت ...

اس سلسلے میں خلیج کی حفاظت کے سوال پر مصر اور امریکہ سے تعاون کرنا چاہیے

بھارت فیچر سروس علی گنج بازار لکھنؤ

(حلقۂ یاراں آپ ہی کا کالم ہے۔ اس سے فائدہ اٹھا کر آپ اپنے تاثرات اور مفید مشورے ہمیں نوازیں)

حلقۂ یاراں

○ حیاتِ نو کو دیکھ کر

بڑھاپے نے بدن میں خون تو چھوڑا نہیں، حیاتِ نو کو دیکھ کر سوکھی ہڈیوں میں کبھی گرمی اور کبھی ٹھنڈک پیدا ہو جاتی ہے۔ حیاتِ نو کے اس شمارہ میں جس کے صفحے کا بار بار تلاش کرنے پر سراغ نہ ملا۔ حلقۂ یاراں کے تحت یہ دیکھ کر اس شمارہ کے مضامین آپ کو کیسے لگے اپنی رائے سے مطلع فرمائیں اور حلقۂ یاراں میں شامل ہو جائیں۔ دل چاہا کہ میں بھی حلقۂ یاراں میں شامل ہو جاؤں۔

وہ شکلیں دیکھنے کی چیزیں نہیں سننے کی چیزیں ہیں۔ لیکن درگئی اس لئے ہی دیکھنے کو ملیں۔ وہ شکلوں کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ اہلِ وطن کی شخصیتیں کس طرح کام کر رہی ہیں اور وطن کو جس رنگ میں دیکھنے کی تمنا ظاہر کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ ایسا معاشرہ اسلام کو اپنا کر ہی وجود میں لایا جا سکتا ہے۔

یہ تو صحیح ہے لیکن اس نظامِ مصطفےٰ کے وجود میں لانے کی راہ میں جو چٹان حائل ہے وہ کیسے تحریکِ اسلامی ہند کی تحریروں نے فکری محاذ سے بیشک انھیں پیچھے ہٹا دیا ہے۔ لیکن میدان میں وہ اب بھی ڈٹے ہوئے ہیں۔ یہ سوال تو عمل ہی کا ہے عمل ہی کا تو یہ کرشمہ ہے کہ باطل کے طرح طرح کے سکے چل رہے ہیں۔ باطل کی گرم بازاری ہے حق کا سکہ متروک اور اس کا بازار سرد ہے۔ وہ جیالے کہاں ہیں اور کتنے ہیں جو ایک ایک گھر اور ایک ایک یونیورسٹی مورچہ بنا رہیں؟ سوال یونیورسٹیوں کا نہیں جامعات کا بھی تو ہے۔ وہ بھی چٹان کا کام کر رہے ہیں۔

محترمہ مریم جمیلہ صاحبہ کی "ایک نئے غزالی کی ضرورت" دیکھ کر افسوس ہوا۔ ان کی فہم و فراست اور فکر و نظر سے انکار نہیں۔ وہ حسن البناء سے واقف ہوں گی اور مولانا مودودی کی ساختہ پرداختہ ہیں۔ کیا یہ دونوں مجددِ عصرِ حاضر امام غزالی اور امام ابنِ تیمیہ سے کم تھے؟ امام غزالی کا مقابلہ صرف الحادی فلسفہ اور بداعتقادی سے تھا۔ حسن البناء اور مودودی کو الحاد، دہریت، سیاست، اقتصادیات، معاشرت، تہذیب و ثقافت ہر محاذ پر لڑنا پڑا۔ وہ کامیابی سے اور اپنے پیچھے عمل کا ایک گروہ آج بھی برسرِ عمل ہے۔ ان دونوں رہنماؤں کے تصورات و نظریات اور افکار آج بھی زندہ ہیں۔

"اخوان المسلمون کا نظامِ تعلیم و تربیت" بڑے اونچے درجے کی چیز ہے۔ انھوں نے اپنی تعلیم و تربیت سے جیسی جماعت پیدا کر دی کہ اس لحاظ سے اسلام کی پوری تاریخ میں منفرد ہیں۔

محمد صاحبؒ کے بعد بھی جاں باز سرفروش جان اور اسلام کی فدائی جماعت اس زمین پر اٹھی نہ چشم فلک نے دیکھا نہ اخوان کے سوا آج بھی موجود ہے۔ اعتراف کرنا چاہیے کہ غلام محمد نے بھی ایک بے مثال مثال پیش کی۔ شام و مصر و عراق اور لیبیا ایسے محسن کا انتظار کرتے ہیں پاکستان میں جنرل ضیاء الحق ایک سوالیہ بنے ہوئے ہیں ورنہ میں کہتا مذکورہ ملک بھی جنرل ضیاء الحق ہی نکلیں۔

"اب وقت آگیا ہے کہ مسلمان در در کی گدائی چھوڑ دیں" وقت اب نہیں آیا ہے کب کا آیا ہوا ہے مگر مسلمانوں میں یہ حوصلہ کہاں؟ ان کی یہ پوزیشن کہاں؟ ان میں یہ صلاحیت کہاں؟ اس کے لئے ایسا تقویٰ و اتحاد کہاں؟ وہ تو اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت پر بھی قادر نہیں، قاصر ہیں۔

افسانے دونوں خوب ہیں۔ غزلیں بھی اچھی ہیں بحیثیت مجموعی شمارہ اچھا ہے۔

ابو محمد امام الدین رام نگری،
بنارس

محترمی و مکرمی جناب مدیر "حیات نو" السلام علیکم

مزاج بخیر محمد اللہ امید ہے کہ آپ بھی بخیریت ہونگے۔

"شخصیات نمبر" نظر نواز ہوا۔ کرم فرمائی پر بے حد ممنون ہوں نمبر بلاشبہ اچھے مضامین پر مشتمل ہے۔

دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والے جن حضرات پر مشتمل یہ نمبر ہے وہ داد و تحسین کے مستحق ہیں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں انشاء اللہ مراتب پر فائز ہونگے۔

خدا کرے یہ نمبر زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچ سکے اس کے مطالعے سے نوجوانوں کے اندر صالح جذبات و احساسات بیدار ہوں گے۔ نیز دین کے سلسلے میں جو غلط فہمیاں پھیلائی جا رہی ہیں ان کا ازالہ عمل میں آسکے گا۔

میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ حیات نو کی یہ اولین کوشش اس سلسلے کا سنگ بنیاد ثابت ہو۔ اللہ تعالیٰ مزید توفیق سے نوازے اور ایسے ہی مضامین پر مشتمل ایک نمبر اور نکالنے کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین۔

جہاں افادیت مضامین قابل داد ہے وہاں اس بات کا شدید دکھ ہے کہ کتابت نہایت خراب ہے۔ کوشش بس چیز پر بھی آپ کنٹرول حاصل کیجئے۔ والسلام

شفیق طاہری۔
شاہجہاں پور

مکرمی و محترمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

"حیات نو" کا تازہ شمارہ (اپریل ۱۹۹۱ء) ہاتھ میں آیا یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ "حیات نو" ہی ہے۔ الٹ پلٹ کر ہر پہلو سے جائزہ لیا۔ مجھے عجیب سی کیفیت ہوئی اس کیفیت میں مسرت بھی تھی۔ مسرت بھی تھی اور .... اور اندیشہ بھی تھا۔ میں یہ نہیں بتا سکتا کہ ان دونوں میں سے کس کا وزن زیادہ تھا۔ بعد میں تجزیہ کرنے پر معلوم ہوا کہ اندیشہ کا احساس غالب تھا۔ اندیشہ کیا؟ اندیشہ اس بات کا کہ کہیں حیات نو کو کسی کی نظر نہ لگ جائے۔ ارباب حیات نو کا جذبۂ ایثار سرد نہ پڑ جائے اور ذوق عمل ان کی رہنمائی کرنا نہ چھوڑ دے۔ اللہ کرے حیات نو کم سے کم اسی معیار پر چلتا رہے۔

کچھ حیات نو کے داخلی رنگ و روپ کے متعلق بھی! حیات نو کو قوس قزح جیسے تاروں سے نہ سجایئے۔ اسے ماتھے کے دھاگوں کا دست نگر نہ بنایئے۔ جب آپ کے مقاصد میں نئے قلم کاروں کی حوصلہ افزائی شامل ہے تو نئے لکھنے والوں سے خود اور اپنے احباب کے ذریعہ ربط قائم کیجئے اور معلوم کیجئے کہ کون صاحب قلم کس موضوع پر لکھنے کا خصوصی رجحان رکھتے ہیں۔ ان کے دلچسپی کے موضوع پر لکھوانے کی کوشش کیجئے۔ بذریعہ خط سے اور اگر ممکن ہو تو بالمشافہ گفتگو میں یاد دہانی کرائیں اور حوصلہ افزائی کریں۔ اس طرح انشاء اللہ آپ مضامین کے معاملے میں خود کفیل ہو جائیں گے مجھے اس وقت یاد آرہا ہے کہ میں نے اپنی

بقیہ صفحہ ۴۳ پر۔

جامعہ کے لیل و نہار

مولانا محمد ناظم ندوی کی آمد

۲۵ اپریل کی صبح کو طلبا اور اساتذہ کے درمیان اس خبر سے خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی کہ آج ہند و پاک کی مایۂ ناز شخصیت، بلند پایہ ادیب اور عظیم انشاء پرداز جناب مولانا محمد ناظم صاحب ندوی تشریف لا رہے ہیں۔ مولانا موصوف تقریباً دس بجے جامعہ میں تشریف لائے۔ طلبا اور اساتذہ نے محترم مہمان کا استقبال کیا۔ مولانا جلیل احسن صاحب ندوی نے ضعف، علالت اور معذوری کے باوجود اپنے استاذ محترم کو بڑی گرم جوشی اور والہانہ عقیدت کے ساتھ خوش آمدید کہا۔ چالیس برس کی طویل مدت کے بعد استاد اور شاگرد کے درمیان یہ پہلی ملاقات تھی۔ اس ملاقات سے دونوں بزرگ بیحد خوش تھے۔ اس موقع پر مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی ندوی ناظم جامعۃ الفلاح بلریاگنج کی زیر صدارت ایک جلسہ منعقد کیا گیا جس میں ناظم جامعہ جناب مولانا ابواللیث صاحب ندوی نے اپنے پرانے ساتھی اور گہرے دوست کا تعارف کرایا۔ مولانا موصوف کے تعارفی کلمات کے بعد مولانا ناظم صاحب ندوی نے طلبہ کو خطاب فرمایا۔ مولانائے محترم نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ سرزمین ہند میں برطانوی تسلط کے بعد سے آج تک علمائے کرام نے زبردست خدمات انجام دی ہیں، یہ علما ہی تھے جنھوں نے ہندوستان کو دوسرا اسپین ہونے سے بچا لیا اور آج تک اسلام کی قندیل روشن رکھی اور ملت کو ہر قسم کے فتنے سے بچانے کی بھرپور کوشش کی۔ مولانا موصوف نے فرمایا کہ ہندوستان میں دینی علوم کی اشاعت اور اسلامی اخلاق کے فروغ کے سلسلے میں جو کام ہو رہا ہے اس کی نظیر عالم اسلام میں ملنی مشکل ہے۔ سرزمین ہند کو اس حیثیت سے بہت اونچا مقام حاصل ہے کہ اس میں جگہ جگہ بہت سے ایسے ادارے پائے جاتے ہیں جو در اصل اسلام کا قلعہ ہیں۔

موصوف نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ اسلام کی فطرت لچکدار ہے۔ زمانے کے ساتھ چلنے کی اس کے اندر بھرپور صلاحیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام ہر طرف پھیل رہا ہے۔ افریقہ کے صحراؤں میں بھی اور یورپ اور امریکہ کے مہذب متمدن علاقوں میں بھی۔

مولانائے محترم کی تقریر سے پہلے کچھ طلبہ نے عربی اور اردو میں تقریریں کیں۔ طلبہ کی تقریروں کو مہمان گرامی نے کافی پسند کیا، خصوصاً عربی تقریروں سے کافی متاثر تھے۔

آخر میں ناظم جلسہ نے محترم موصوف کا شکریہ ادا کرتے ہوئے جلسے کے اختتام کا اعلان فرما دیا۔

طلبہ امتحان کی تیاری میں مصروف:

جامعہ میں سالانہ امتحان بہت قریب ہے اور طلباء پوری یکسوئی کے ساتھ اس کی تیاری کر رہے ہیں۔ توقع کی جاتی ہے کہ امتحان ان شاء اللہ ۹ رجون سے شروع ہو کر غالباً ۱۷-۱۸ جون تک اختتام کو پہنچے گا اور اس کے بعد تقریباً دو مہینے کی

بقیہ ص ۳۲

مرکز جماعت اسلامی ہند
چتلی قبر دہلی ۶
۵ اپریل ۱۹۸۱ء

پریس ریلیز

اسلامک کونسل آف انڈیا سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے

مولانا محمد یوسف صاحب امیر جماعت اسلامی ہند کا بیان

دہلی ۵ اپریل: جناب مولانا محمد یوسف صاحب امیر جماعت اسلامی ہند نے ایک پریس ریلیز میں فرمایا ہے کہ: "ابھی دہلی میں حال ہی میں چند حضرات کے ذریعہ قائم کی گئی ایک تنظیم اسلامک کونسل آف انڈیا کے ذمہ داروں کی طرف سے جاری کردہ ایک بیان کے حوالے سے مختلف اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ اس تنظیم کی تاسیس میں میرا بھی ہاتھ ہے، بالخصوص اس کی اسٹینڈنگ کمیٹی اور جنرل کونسل جن افراد کے مشورے سے بنائی جانے والی ہے، ان میں میرا نام بھی شامل ہے۔ حالانکہ ایسا کرنے سے پہلے نہ تو مجھ سے کبھی پوچھا گیا تھا اور نہ اس نشست میں مجھے کوئی اطلاع دی گئی ہے جس میں اس نئی تنظیم کی تشکیل عمل میں آئی ہے۔

آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے اغراض و مقاصد اور پروگرام میں چونکہ مسلمانوں کو درپیش مسائل کے حل، ان کی تعلیمی ثقافتی، معاشرتی اور معاشی پسماندگی کے ازالے اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مابین مفاہمت اور اتحاد کی بہتر فضا پیدا کرنے وغیرہ کی کوششیں شامل ہیں اس لئے انہیں اغراض و مقاصد کی بنا پر کسی نئی تنظیم کی تشکیل سے مجھے اختلاف رہا ہے۔ چنانچہ ۲۲ مارچ کی نشست میں جسے جناب محمد یونس سلیم صاحب نے منعقد کیا تھا میں نے اور مفتی عتیق الرحمن عثمانی صاحب صدر آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت نے برملا اس کا اظہار کر دیا تھا، بلکہ اس سے کئی ماہ قبل جناب یونس سلیم صاحب نے اپنی رہائش گاہ پر ایسی ایک تنظیم کا تذکرہ کیا تھا، اس وقت بھی میں نے اور مفتی عتیق الرحمن عثمانی صاحب، صدر مشاورت نے یہی کہا تھا کہ جب مسلم مجلس مشاورت کے پروگرام میں یہ سب باتیں شامل ہیں اور ان کے سلسلے میں مشاورت نے کچھ کیا بھی ہے تو ان کے لئے کوئی تنظیم کہیں زیادہ اچھا یہ ہے کہ مشاورت کے ایک بازو کی حیثیت سے آپ جیسے حضرات بھی ان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے آگے بڑھیں۔ مسلمانوں کے جو ادارے قائم ہیں ان کو تقویت پہنچانے کے لئے ہم سب کو متحد ہو کر کوشش کرنی چاہئے، ورنہ آئے دن نئی نئی تنظیمیں بنانے سے ملت کی توانائیاں منتشر ہو کر بے اثر ہو جائیں گی۔

جہاں تک اسلامی اخوت اور انسانی ہمدردی کے تقاضوں کے تحت امت مسلمہ سے ربط رکھنے کا تعلق ہے مشاورت نے مناسب حد تک ہی اور ملک و ملت کے مفاد کو پیش نظر رکھ کر عالم اسلام سے ربط بھی قائم کیا ہے اور آڑے وقت میں اس کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے اور اس کیلئے ہمدردی کی فضا بنانے کی بھی کوشش کی ہے۔ بالخصوص فلسطین میں صہیونی جارحیت، بیت المقدس اور عرب علاقوں پر ناجائز قبضہ، افغانستان میں روس کی مسلح مداخلت وغیرہ کے ضمن میں

(بقیہ ص ...)